قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

# طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱
پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰
ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

## مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری
معاون : ثریا عندلیب
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر : عطاء الرحمٰن آرائیں
طابع : سید عبد السلیم
مطبع : آفتاب عالم پریس
۱۳۔ ہسپتال روڈ۔ لاہور
فون۔ ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

ستمبر ۱۹۹۲ء
جلد ۴۵ شمارہ ۹

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۱۲۰ روپے
بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر
فی پرچہ : -/۱۰ روپے

## فہرستِ مضامین

| | | |
|---|---|---|
| نذرانۂ عقیدت بحضور رسالتمآبؐ | علامہ غلام احمد پرویزؒ | ۲ |
| لمعات | ادارہ | ۱۲ |
| ملاوٹ (دین میں) | ڈاکٹر سید عبدالودود | ۲۴ |
| عدت | محمد لطیف چوہدری | ۳۸ |
| ۱۴ اگست بھی گزر گیا۔ | ڈاکٹر صلاح الدین اکبر | ۴۴ |
| بد قسمتی سے | ثریا عندلیب | ۴۸ |
| مذہبی پیشوائیت | علی محمد چدھڑ | ۵۱ |
| اشاعتِ اسلام اور ٹی وی | اعزاز الدین احمد | ۵۴ |
| نفسِ واحد | ڈاکٹر سید عبدالودود | ۵۸ |
| نقد و نظر | ادارہ | ۷۰ |
| حقائق و عبر | ادارہ | ۷۲ |
| بچوں کا صفحہ | غلام احمد پرویز | ۷۵ |
| درسِ قرآن | ادارہ | ۷۸ |

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو

آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

# نذرانۂ عقیدت
# بحضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلّم)

یوں تو طلوعِ اسلام کی ہر اشاعت، قرآن اور صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسّلام) کے تذکارِ جلیلہ کی آئینہ بردار ہوتی ہے، لیکن ربیع الاوّل کا مہینہ نوعِ انسان کے لیے جس خیر و برکت کا ضامن اور یمن وسعادت کا مہین ہوتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اس ماہ سے متعلق اشاعت میں حضورؐ کی سیرتِ طیّبہ کے سلسلہ میں خصوصی نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں کسی تجسّس وکاوش کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ پرویزؔ صاحب کی مائہ ناز اور منفرد تصنیف، معراجِ انسانیت میں گہرہائے عقیدت انبار در انبار اور گل ہائے مدحت روش در روش موجود ہیں۔ ہم اسی کفِ گل فروش و دامانِ باغباں کی خوشہ چینی سے چند برگہائے خوش رنگ پیش کرنے کی مسرّت حاصل کرتے ہیں۔

---

## وہ آئے بزم میں:

شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدّن کے پھول وحشت و بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے جُسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر ختم ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب واخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اُجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت و سراسیمگی کے عالم میں، خاسر و نامراد انسان اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا، لیکن خدا کی اس وسیع سرزمین پر اُسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس و ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں اور ایک پکار سُننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھی کہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ! یہ وقت تھا کہ فطرت کے اٹل قانون نے اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا۔

اس ربِ ذوالمنن کا سحابِ کرم، زندہ اُمیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزاروں جنّتیں اپنے آغوش میں لئے ربیع الاوّل کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھُوم کر آیا اور بلدِ امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا۔ انسانیت کی مُرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدّن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔

عمرانیت و مدنیت کے سبزۂ پامال میں تزئین و لطافت پیدا ہو گئی۔ اعمالِ صالحہ کے خشک چشمے، حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی سرکشی کی بادِ سموم، عدل و احسان کی جاں کش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کے نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذرّوں کو اس ذاتِ اقدس و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی جو عالمِ موجودات کے سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔ جس سے شرف و مجدِ انسانیت کی تکمیل ہوئی جو علم و بصیرت کے اس افقِ اعلیٰ پر جلوہ بار ہے۔ جہاں عقل و عشق، ناسوت و لاہوت یہ اور وہ قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں جو دانشِ روحانی اور حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ نوامیسِ فطرت نے "جنّت سے نکالے ہوئے ابنِ آدمؑ" کے اس طالعِ بیدار کا تقدیس و تمجید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا کے طاغوتی قوتوں کے تخت اُلٹ گئے کہ وہ آنے والا آ گیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب انسانی تصورات کی دنیا، نار کی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بُت پاش پاش ہو گئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آ گیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چھپا لیا کہ اب جور و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آ گیا۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دُور ہو گئیں کہ آج اس آفتابِ عالم تاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے جگمگاتا چراغ کہہ کر پکارا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (۳۳/۴۵-۴۶) وہ آنے والا کہ جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (۷/۱۵۷) جب وہ آیا تو اس نے ان تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جس میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ احبار و رہبان کی برہمنیت کے طوق و سلاسل، قیصر و کسریٰ کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں تقسیمِ انسانیت کے انسانیت کُش نسلی، جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار، سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے اور پابندِ قفس طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں اذنِ بال کشائی عطا ہوا۔ دور [...] مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خسروی اور بادشاہی کو استغنائے [...]یت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامی کہ

[...] تر نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
[...] آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

[...] یحیی الموتیٰ (۳۰/۵۰)

[...] بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

---

[...] سمال یوں قرنہا قرن سے سرگرداں پھر رہے تھے، اپنے نقطۂ تکمیل

تک پہنچی۔ جب انسانیت، جس کے لئے کائنات نے ایک ایک ذرّے کو لاکھوں چکر دیئے تھے، گہوارۂ طفولیت سے حریمِ شباب میں آگئی۔ جب اس صحیفۂ فطرت کی تکمیل کا وقت آگیا جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دُھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے۔ جب سینۂ کائنات میں اتنی کشاد پیدا ہوگئی کہ وہ اپنے رازہائے درون پردہ کے معدن لال و گہر کو اپنے اندر سمو لے تو آسمان کی حوریں زمین پر اتریں کہ جنّت کے پھولوں سے وادیٔ بطحا کی تزئین آرائش کر دیں۔ صحنِ گلستانِ کائنات پہ بہار آگئی۔ ہر طرف سے مسرّتوں کے چشمے اُبلنے لگے۔ چاند مُسکرایا، ستارے ہنسے۔ آسمان سے نورؔ کی بارش ہوئی۔ فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر، ایک پیکرِ محبوبیت کا حسین تصوّر بن کر چمکنے لگی۔ فلک، تعظیم کے لئے جُھکا۔ زمین نے اپنی خاک آلود پیشانی سجدہ سے اٹھائی کہ آج اس کی قرنہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آپہنچا تھا۔ صحرائے حجاز کے ذرّے جگمگا اٹھے۔ بلد امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد آمد تھی۔ جس کی طرف جبلِ تین پہ حضرت نوحؑ نے اشارہ کیا تھا اور جس کوہ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو وجہ تسکینِ خاطر بنایا تھا۔ جس کی آمد کی بشارتیں وادیٔ طورِ سینین میں بنی اسرائیل کو دی گئیں تھیں اور جس کے لئے دشتِ عرب میں حضرت خلیل اکبرؑ اور ذبیح اعظمؑ نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا۔ وہ آنے والا، کہ جس کے انتظار میں زمانے نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں آیا، اور اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمۂ تبریک گایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جُھولا جُھلایا۔ ملاء اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرّے چمک اُٹھے۔ فضائے عالم درود و صلاۃ کی فردوس گوش صداؤں سے گونج اُٹھی اور انس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اُٹھے کہ ؎

اے شہسوارِ اشہبِ دوراں بیا  اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہان ذکر و فکرِ انس و جاں  تو صلوٰۃِ صبح تو بانگِ اذاں

(۰)

## مقامِ محمدی

یہ آنے والا رسول کافۃً للناس اور رحمۃ للعٰلمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دُنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اس کتابِ مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو حضورؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی۔ جو قلبِ محمدیؐ میں اتاری گئی۔ مشامِ جاں نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمین کی انہی پتیوں کی رہینِ منت تھی۔ جن کا گلدستہ اس نبی آخر الزمانؐ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں سجایا گیا۔

پیغامِ محمدیؐ کیا ہے۔ انہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی آندھی کے تیز جھونکوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔ اور انہی درخشندہ و تابندہ ذرّاتِ نادرہ کا پیکرِ حسن و زیبائی کہ جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی فرطِ عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ

الگ پڑے تھے۔ یہاں یہ پیکرِ جلال وجمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے، یہاں یہ ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب وتاب سے موزوں ہوگئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے، یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں یہ پھول تھا۔ وہ ذرّے تھے، یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے یہ ملّت تھی۔ وہ نقطے تھے، یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتدا تھی، یہ انتہا تھا۔

خلق وتقدیر وہدایت ابتدا است
رحمۃ اللعالمینی انتہا است

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس واعظم کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر صاحبِ بصیرت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند وراہِ مصطفےٰ رو

# وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

(۱)

طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ امیدوارے

قلبِ وادیٔ فاران، یعنی ام القریٰ مکہ، اپنی تمام نگاہ فریب جاذبیتوں کے ساتھ، ہر عاکف وباد کے لئے مرکزِ قلب ونظر بنا ہوا ہے۔ چونکہ ریگ زارِ حجاز کے ہر ذرہ کی عقیدت حریمِ کعبہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے طفلک وبرنا وپیر از دور ودر کارواں در کارواں اپنی پیشانیوں میں تڑپتے ہوئے سجدوں کے نذرانے لئے، رواں دواں اور کشاں کشاں اس مرجعِ انام کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ جبینِ شوق سجدوں سے معمور ہے۔ لیکن کچھ معلوم نہیں کہ مسجود کیا ہے؟ قلبِ نیاز جذبہ ہائے تعبّد سے لبریز ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ معبود کون ہے؟ زندگی کی تگ وتاز ہر نوع ہنگامہ خیز ہے۔ لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ اس تگ وتاز سے مقصود کیا ہے۔ کاروانِ حیات تیز گام ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ اس کی منزل کونسی ہے؟ لیکن اس نہ جاننے کے باوجود ایک ہنگامہ ہے کہ ہر وقت برپا ہے جس میں ہر شخص اپنے آپ کو جذب کئے ہوئے ہے۔ اس کیف ومستی کے عالم میں کوئی تالیاں پیٹتا ہے۔ کوئی سیٹیاں بجاتا ہے۔ کوئی کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر سفر ختم ہونے کے باوجود ذوقِ سفر کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کوئی بتوں کے آستانے پر جانور ذبح کر کے ان کا گرم گرم لہو پی رہا ہے۔ کوئی زمزم کے کنارے بیٹھا جام وسبو کے امتیازات مٹا رہا ہے۔ کاہنوں کے گرد عورتوں کا ہجوم ہے جو صبرِ گریزپا اور رنجِ گراں نشین کے جگر سوز افسانوں کا مستقبل معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ ادھر عکاظ کے بازار میں شعرائے جادو بیاں اپنی سحر آفرینیوں سے ہر سننے والے دل اپنی مٹھی میں لئے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی کے خاندانی مفاخر کے تذکرے سے اس کے طرہ استکبار میں اور بالیدگی پیدا کرتے ہیں اور کسی کے عزیز کے قتل کی یاد تازہ کر کے اس کی رگوں میں آتشِ انتقام کے شعلے اس طرح بھڑکاتے ہیں کہ بزمِ شعر خوانی آن کی آن میں

ندم گاہ بن جاتی ہے لیکن محفلِ عیش وطرب ہے یا میدانِ جنگ وجدل ہر شخص پورے جذب وانہماک سے اس میں حصّہ لیتا ہے اور اس ہمہمہ اور طنطنہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر، یوں مستغرق ہوتا ہے کہ کوئی کوشش اسے اس ہنگامے سے باہر نہیں لے جا سکتی۔ چھوٹا بڑا، امیر غریب، مرد، عورت، سب ان ہنگاموں میں اس طرح شریک ہیں گویا یہ کچھ ان کی معاشرت کا جزو اور ان کی قومی زندگی کا حصّہ بن چکا ہے۔

لیکن مکّہ کی ان پُر ہجوم گلیوں میں ایک شخص ایسا بھی دکھائی دیتا ہے جو ان میں سے ہوتے ہوئے بھی ان میں کا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی طرزِ معاشرت، وضع قطع، تراش خراش سب انہی جیسی ہے۔ وہ انہی بازاروں میں پھرتا ہے۔ انہی لوگوں کے سے کاروبار کرتا ہے۔ ان کی شادی اور غم میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں جن کی پرورش بطریق احسن کرتا ہے وہ اپنے آپ کو انہی جیسا انسان سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زندگی میں کچھ خلا سا محسوس کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ خلا کیا ہے اور کس طرح پُر ہو سکتا ہے۔ وہ مشاغل ومشارب، جو اس کی قوم کا جزو زندگی بن چکے ہیں، اس کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنی جبینِ نیاز میں ذوقِ عبودیت کے سجودِ بیتاب لے کر حریم کعبہ تک جاتا ہے لیکن وہ ان گہر ہائے تابندہ کو اسی طرح واپس لے آتا ہے کہ وہاں انسانوں کی بنائی ہوئی چوکھٹیں اس متاعِ گراں مایہ کے شایانِ شان دکھائی نہیں دیتیں۔ جب وہ انسانوں کی گردنوں کو ان کی خود تراشیدہ مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے جھکا ہوا دیکھتا ہے، تو محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ ——— یا الٰہی یہ کیا ماجرہ ہے؟ وہ عکاظ کے بازار میں جب سردارانِ قریش کو اپنی عالی نسبی پر فخر کرتے دیکھتا ہے تو ہر چند وہ خود قریش کے ممتاز ترین گھرانے کا فرد ہے، لیکن اس کا دل گواہی نہیں دیتا کہ جس چیز میں انسان کے اپنے کردار کو کوئی دخل نہ ہو وہ باعث فخر و تکبّر ہو سکتی ہے۔ وہ بزمِ مے پرستی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کہ اس سے اس کا قلبِ سلیم ابا کرتا ہے۔ وہ قمار خانوں کی طرف قدم نہیں اٹھاتا کہ وہاں اسے مہذب انسانوں کے بھیس میں رہزن دکھائی دیتے ہیں ——— وہ جب ان محافل ومجالس میں اپنے لئے کوئی تسکین نہیں پاتا تو عیسائی رہبان اور یہودی احبار کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اس نے سُن رکھا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق کا علم رکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اس لئے وہ ان علماء مشائخ سے پوچھتا ہے کہ ان کے پاس کون سی روشنی ہے جسے وہ آسمانی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن اسے ان مزعومہ آسمانی شمعوں پر انسانی ساخت کے ایسے فانوس نظر آتے ہیں جنہوں نے شمع کی اصلی روشنی کو ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ یہاں سے بھی ٹھنڈی آہ بن کر اٹھ آتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انہی بستیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کی طرح ان معبودانِ باطل سے متنفر ہیں۔ وہ ان کی طرف رجوع کرتا ہے کہ شاید وہیں وہ سکون مل جائے جس کی اسے تلاش ہے۔ لیکن اسے ان کا ذوقِ تشنہ اور تڑپ خام نظر آتی ہے وہ وہاں سے بھی مایوس واپس آتا ہے۔ غرضیکہ وہ انسانوں کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اسے کوئی ایسا دوسرا انسان نہیں ملتا جس سے اپنے دل کی تپش وخلش اور سوز وگداز کا ماجرہ کہہ سکے۔ وہ اس تنہائی سے اُکتا جاتا ہے تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر پکار اٹھتا ہے کہ ؎

درین میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر — کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر

وہ انسانوں کی بستیوں میں اپنے دل کی پکار کا کوئی جواب نہیں پاتا تو باہر فطرت کی کھلی فضاؤں میں

چلا جاتا ہے۔ وہاں کبھی صحراؤں کی ناپیدا کنار وسعتوں پر غور کرتا ہے اور کبھی آسمانوں کی حدود فراموش پنہائیوں پہ۔ گاہ اسے ستاروں کی تابندگی دعوتِ غور و فکر دیتی ہے اور گاہ ماہِ عالم تاب کی درخشندگی سامانِ تدبّر و تفحص پیدا کرتی ہے وہ مظاہرِ فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں پر غور کرتا اور بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلسلۂ کائنات کس طرح وجود میں آگیا؛ کون اسے بایں حُسن و خوبی چلا رہا ہے؟ اس کا بالآخر مقصد کیا ہے؟ یہ سوالات رہ رہ کر اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اسے ان کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ جب جواب نہیں ملتا تو اس سے اس کے دل کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے۔ اور جب اضطراب بڑھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی تشنگیٔ ذوق کی شدت تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے اپنے آپ پر ضبط اس قدر ہے کہ وہ اس کاوش اضطراب کو اپنے معمولاتِ زندگی پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے کاروباری معاملات، بال بچوں کی نگہ پرداخت رفقاء و احباب سے میل ملاقات۔ معاشرتی زندگی کے مقتضیات میں کوئی فرق نہیں آنے دیتا۔ اور ایسی زندگی بسر کیے جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس اپنے ہیں اور اس میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ بجز اس کے کہ وہ اس کے کیریکٹر کی بلندی کے مداح ہیں اور اس کی صداقت و دیانت کے معترف۔ چھوٹا بڑا سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ قوم اور خاندان کو اس کی شرافت و اصالت پر ناز ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ان سے کچھ مختلف محسوس کرتا ہے۔ اس لئے کہ جن گوشوں کو انہوں نے اپنے لئے وجہِ اطمینان اور موجبِ تسکین قرار دے رکھا ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی اپنے اضطراب کا مداوا نہیں پاتا۔ وہ اپنے آپ کو ہر آن کسی ایسی چیز کی تلاش میں مضطرب و بے قرار پاتا ہے جس کا اسے خود بھی علم نہیں کہ وہ کیا ہے؟ کارلائل کے الفاظ میں:۔

"شروع ہی سے چلتے پھرتے آپ کے دل میں ہزاروں سوالات پیدا ہوتے تھے:۔
میں کیا ہوں؟ کائنات کا لامتناہی سلسلہ کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ مجھے کس چیز پر ایمان رکھنا چاہیئے؟
حرا اور فاران کی پہاڑیاں، ریت کے ٹیلوں کا سکوت، ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ ان سوالات کا جواب انسان کی اپنی روح اور خدا کی وحی سے ملنا تھا۔ جو اس روح کو اپنا مسکن بنا لے۔

HEROES AND HERO —— WORSHIP P. 49

ہاں ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا تھا۔ ان کا جواب صرف وحی کی زبان سے مل سکتا تھا۔ اور نبیؐ قبل از نبوت وحی سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت قبل از نبوت حضورؐ کی تھی۔

نبوت خالصۃً خدا کی موہبت ہوتی تھی جس میں ہونے والے نبی کے اپنے ملکہ یا کسب و ہنر کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ خدا جس ذات کو اس منصبِ جلیلہ کے لئے منتخب کر لیتا تھا، اسے اپنے پروگرام کے مطابق، ایک وقت معینہ پہ نبوت عطا کر دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ نبیؐ کو قبل از نبوت، وحی کا علم نہیں ہوتا تھا۔ (حضورؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔)

## مقامِ نبوّت

نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصوّر سے روح میں بالیدگی، نگاہوں میں بصیرت، ذہن میں جلا، قلب میں روشنی، خون میں حرارت، بازوؤں میں قوت، ماحول میں درخشندگی، فضا میں تابندگی اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبیؐ کا پیغام انقلاب آفریں۔ دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مُردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروقِ مفلوج میں پھر سے قوّتِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی ملّت کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش ربا تعلیم اور محیّر العقول عمل سے باطل کے تمام نظام ہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئینِ کائنات کو ضابطۂ خداوندی پر منتقل کر دیتا ہے۔ اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے اور آرزوئیں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ اٹھتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ روح میں مسرّتوں کے چشمے ابلتے ہیں۔ قلب و نظر کی نورانیت کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ امیدوں کی کلیاں مہکتی ہیں۔ زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحنِ چمن، داماں صد با غباں اور کفِ گلفروش کا فردوس اپنا منظر پیش کرتا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانینِ خداوندی کا نفاذ اس کا منتہا ہوتا ہے۔ جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تخت بچھایا جاتا ہے تو باطل کی ہر بلا خود کو قوّت پہاڑوں کے غاروں میں سر چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصرِ فلک بوس کے کنگرے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے آتش کدے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے رفقا کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ سرکش اور خود پرست قوتیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے، ان انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔

---

## قرآن و سیرت

آسمانی سلسلۂ رشد و ہدایت سے مقصود و مطلوب کیا ہے اس کی تشریح و تبیین میں کتابوں پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن اگر اسے مجملاً چند الفاظ میں سمجھنا ہو تو اس سے مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی تمدنی اور معاشی زندگی یعنی ہیئتِ اجتماعیہ کو کس طرح ان مستقل اقدار سے ہم آہنگ رکھ سکتا ہے جو ایک ہمہ گیر آفاقی ضابطہ قوانین کی حیثیت سے کارگہِ ہستی کو اس نظم و ضبط، توازن و اعتدال اور حسن و رعنائی سے نہ صرف سرگرمِ عمل رکھ رہی ہیں۔ بلکہ اس کے تعمیری پہلوؤں کو بروئے کار لا کر اسے تخلیقی ارتقاء کے مراحل طے کراتے ہوئے رواں دواں جانبِ منزل لئے جا رہی ہیں۔ قرآن میں اقوام و ملل سابقہ کے احوال و کوائف اور حضرات انبیاء کرامؑ کے تذکارِ جلیلہ سے بھی یہی بتانا مقصود ہے کہ جب انسان نے اپنے تمدنی و معاشی نظام (یعنی حیاتِ اجتماعیہ) کو آفاقی قوانین سے الگ کر لیا تو اس کا نتیجہ زندگی کی ان ناہمواریوں کی شکل میں سامنے آگیا جسے وہ فساد کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ اور جس سے کاروانِ انسانیت، شرفِ رفعت کی بلندیوں کی طرف جانے کی بجائے سقوطِ بہیمیت کی پستیوں کے جہنم میں

جاگرا۔ اور اس کے برعکس، جب انہوں نے اپنی زمینی زندگی (حیاتِ ارضی) اور آسمانی اقدار میں توافق اور ہم آہنگی پیدا کرلی تو کس طرح زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھی اور عالمِ انفس و آفاق میں کس طرح شگفتگی و شادابی کی جنتیں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ بعثتِ نبی اکرم ؐ کے وقت یہ فساد اپنی وسعتوں اور گہرائیوں کے اعتبار سے پوری شدت اختیار کر چکا تھا۔ لیکن نوعِ انسانی کے محسنِ اعظم ؐ اور آسمانی انقلاب کے اس داعیٔ اکبر ؐ کے تیئیس ۲۳ سالہ سعی و عمل سے انسانی نظامِ حیات کے یہ تمام ناہموار گوشے یکسر ہمواریوں اور استواریوں میں بدل گئے۔ اور انسانیت نے اس فردوسِ گم گشتہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے تبسم ریز و کوثر فشاں دیکھ لیا جس کی تلاش میں وہ قرن ہا قرن سے حیران و سرگرداں پھر رہی تھی۔ لہٰذا سیرتِ محمدیہ درحقیقت تعارف و تاریخ ہے اس انقلاب کی جس سے انسانیت پستیوں اور ناہمواریوں کے اس ذلت آمیز و کرب انگیز جہنم سے نکل کر جس میں اسے ملوکیت کی مستبدانہ دراز دستیوں، پیشوائیت کی ابلیسانہ دسیسہ کاریوں اور مفاد پرست گروہوں کی سفاکانہ کی خون آشامیوں نے دھکیل رکھا تھا۔ بلندیوں اور ہمواریوں کی اس روح پرور اور نشاط انگیز جنت میں جا پہنچی جس میں ہر متنفس کے مضمر جوہروں کی بالیدگی اور ثمر باری کے اسباب و مواقع بلا روک ٹوک موجود تھے کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۔ اس شجرِ طیب کی طرح جس کی جڑیں زمین میں محکم و استوار ہوں اور جس کی شاخیں آسمانی جنت در آغوش فضاؤں میں مسرتوں کے جھولے جھول رہی ہوں۔ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ

# قرآن نے کیا کہا

قرآن کی رُو سے فرقہ بندی خدا کا عذاب ہے، ایمان کے بعد کفر ہے، توحید نہیں بلکہ شرک ہے، سوال یہ ہے کہ فرقے بنتے کس طرح سے ہیں؟

اس طرح کہ لوگ خدا کی دی ہوئی شریعت کے بجائے انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں اور چونکہ مختلف انسانوں کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے ان کے پیروں میں اختلاف ہوتا ہے، اس طرح لوگوں کے الگ الگ فرقے بن جاتے ہیں، قرآن میں ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ط (۴۲/۲۱) کیا ان کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کا ایسا راستہ مقرر کردیا ہے جس کی اجازت اللہ نہیں دیتا! اللہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی انسان کسی کے لئے دین کا راستہ مقرر کرے، دین صرف خدا کی طرف سے ملتا ہے اور اس کی سند خدا کی کتاب ہوتی ہے، قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط (۶/۷۱) ان سے کہدو کہ خدا کی طرف سے ملی ہوئی راہ نمائی ہی حقیقی اور سچی راہ نمائی ہے، اس کے سوا اور کسی کی راہ نمائی قبول کرنا شرک ہے۔

(سرورق، طلوعِ اسلام کراچی، ۲۱ مئی ۱۹۵۵ء)

# لمعات

## ۱۔ قرآن وسنّت کی بالادستی

ایک اخباری اطلاع کے مطابق قرآن وسنت کو سپریم لا بنانے کے لئے حکومت ازخود ایک مسوّدہ قانو
اسمبلی میں لا رہی ہے. کون مسلمان ہے جو اس خبر سے خُوش نہ ہوا ہوگا. لیکن جب تک یہ مسودہ سامنے نہیں
آجاتا یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ اسے موجودہ آئین میں کس طرح شامل کیا جائے گا اور اس کے مضمرات کیا ہونگے
ہاں یہ بات البتہ پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ "سنت" کا تعین کئے بغیر "قرآن وسنّت" کی تشریح وتفسیر
نفاذِ شریعت ایکٹ کی طرح ہر فرقے کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی، تو اس کے اثرات عوام پر تو شاید نفاذ شریعت ایکٹ
سے مختلف نہ ہوں. تاہم موجودہ فرقوں کی پیشوائیت کو اقتدار میں شرکت کی ضمانت ضرور مل جائے گی.

تاریخ شاہد ہے کہ بالادست انسانوں نے ہمیشہ کمزور انسانوں کا خون چُوسا ہے اور ایسا انتظام رکھا کہ یہ
انسان ان کے فولادی پنجے کی گرفت سے نکلنے نہ پائے. یہ فولادی پنجے انسان کے دونوں ہاتھوں میں رہے. ایک
ہاتھ میں مالکانہ مفاد، یعنی (VESTED INTERESTS) کا پنجہ اور دوسرے ہاتھ میں مذہبی پیشوائیت، یعنی
(PRIESTHOOD) کا پنجہ. مظلوم انسانیت کو ان ہر دو پنجوں سے چھڑانے کے لئے دنیا میں بہت سے تجربات ہوئے
ان میں ایک تجربہ آج سے چودہ سو برس پیشتر سرزمین عرب میں ہوا. یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا. نوعِ انسان کے
اس عظیم القدر معلم و محسن نے تیئیس سال کی شبانہ روز محنت سے تاریخ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا کر دیا جس
نے ہر قسم کے مالکانہ مفادات اور مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ کر دیا اور خوبی یہ کہ اس معلم و محسنِ انسانیت نے اپنے تجربے
کو کسی راز میں نہ رکھا، بلکہ ہر ایک سے کہہ دیا کہ اس تجربہ کے تمام اصول اس کتاب میں محفوظ ہیں جو میں تمہارے حوالے
کئے جا رہا ہوں. ان اصولوں پر کاربند رہوگے تو ان کی رُو سے پیدا شدہ انقلاب آگے بڑھتا جائے گا.

لیکن کچھ عرصہ بعد مفاد پرستانہ ذہنیتیں پھر سے اپنی کمین گاہوں سے نکلیں اور انہوں نے اپنے گمشدہ اقتدار کی

ابھرائی کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ مالکانہ مفادات کی حامل ذہنیتوں کو مذہبی پیشوائیت کی ضرورت لاحق ہوئی لیکن مشکل یہ کہ مذہبی پیشوائیت کی راہ میں وہ کتاب تھی جس میں اس انقلابی تجربہ کے اصول منضبط تھے، سنگ گراں بن کر حائل ہو رہی تھی لہٰذا ان دونوں قوتوں کی پہلی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کتاب کو راستہ سے ہٹایا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے کیا کیا حربے اختیار کئے یہ ایک طویل داستان ہے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور اس کتابِ انقلاب کی عملی حیثیت یکسر ختم ہو گئی۔

ہندوستان میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو ہندو چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں پر حکمران بن کر بیٹھ جائے ۔ اللہ کے ایک بندے نے اپنی قرآنی بصیرت سے اس صورتِ حال کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کو اپنی جداگانہ مملکت قائم کرنے کا تصور دیا۔ ایک دوسرا مردِ دانا اٹھا اور اس نے اِس تصور کو حقیقت بنانے کی ٹھان لی۔ مذہبی پیشوائیت نے ان حالات کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اقتدار میں اس کی شمولیت کا امکان اسی شکل میں ہو سکتا ہے کہ

> یا تو مسلمانوں کی حکومت اس انداز کی قائم ہو جس میں قانون کے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں (اس کا نام اس نے قانونِ شریعت کا نفاذ رکھ چھوڑا تھا اور شریعت کا حامل وہ اپنے آپ کو سمجھتا تھا) اور اگر اس قسم کی حکومت قائم نہ ہو تو پھر اس کے اقتدار کی دوسری صورت یہ تھی کہ ہندوؤں کی لادین سٹیٹ ہو جس میں مسلمانوں کے پرسنل لاز کا تحفظ ہو جائے اور یہاں بھی ظاہر ہے پرسنل لاز (شریعت) کی نگرانی مولوی صاحبان ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔

مذہبی پیشوائیت ان دنوں دو گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ پاکستان کے حق میں تھا اور دوسرا اس کے خلاف۔ اقتدار میں شمولیت سے نہ یہ نا اُمید تھے نہ وہ مایوس۔

پاکستان بن گیا۔ قوم پرست علماء ہندوستان میں رہ گئے۔ دوسرے پاکستان آ گئے اور یہاں آتے ہی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ان کا دعویٰ یہ رہا کہ شریعت وہ ہے جسے یہ شریعت کہیں۔ ان کی یہ شریعت وہی ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں پیدا ہوئی اور جس کی خصوصیت مالکانہ مفادات (VESTED INTERESTS) کی حفاظت رہی ہے۔ پاکستان میں مالکانہ مفادات کی صورت زمینداری، جاگیرداری اور سرمایہ داری ہے۔ ان لوگوں کی کوشش یہ رہی کہ دورِ ملوکیت کی شریعت کی آڑ میں ان لوگوں کے مفادات کا تحفظ بھی جاری رہے اور مذہبی پیشوائیت کا تسلط بھی قائم رہے۔ گویا استبداد کے وہی فولادی پنجے جنہیں قرآن کے انقلاب آفریں نظام نے توڑا تھا انہیں پھر سے مسلط کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے قرآن کا نام لیا جائے تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مذہبی پیشوائیت اور مفاد پرستانہ ذہنیت، دونوں کا دشمن ہے۔ عہدِ رسالتمآبؐ میں کبھی کسی نے مولوی کا نام نہیں سنا تھا۔

آپ نے کہیں یہ نہ پڑھا ہوگا کہ کسی نے حضرت مولانا ابوبکر صدیقؓ یا مولانا عمر فاروقؓ کہا ہو۔ وہ دور اس چیز سے آشنا ہی نہ تھا۔ یہ لوگ رائج کرنا چاہتے ہیں اس اسلام کو جو دورِ ملوکیت کی پیداوار ہے لیکن اس کی نسبت کر دی جاتی ہے حضور رسالتمآبؐ کی طرف۔ دنیا جانتی ہے کہ نبی اکرمؐ نے قرآن کی ہی اتباع کی اور قرآن ہی سے اسلامی مملکت کا نظام و آئین مرتب فرمایا، اس لئے اس میں شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ قرآن سے آئین و قوانین مرتب کرنا عین سنتِ رسول اللہؐ کے مطابق ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس میں پیشوائیت کو نہ اپنے اقتدار کے جواز کی سند ملتی ہے نہ مالکانہ مفادات کے تحفظ کی گنجائش۔ اس لئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ سنتِ رسول اللہؐ نام ہے ان روایات کا جن میں ان سب باتوں کی گنجائش نکل آتی ہے حالانکہ یہ واضح ہے، جس سے انہیں بھی انکار نہیں کہ رسول اللہؐ نے روایات کا کوئی مجموعہ امت کو نہیں دیا۔ حضورؐ نے خود بھی قرآن پر عمل کیا اور اُمت کو بھی اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ روایات کے مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے جو مسلمانوں کی ملوکیت کا دور تھا اور ان مجموعوں میں وہ تمام روایات درج ہو گئیں جن سے ملوکیت اور پیشوائیت کو تقویت ملتی تھی اور جو اسی مقصد کے لئے وضع کی گئی تھیں۔ اب یہ لوگ ان ہی روایات کو سنتِ رسول اللہؐ کا مقدس نام دے کر نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ کس معصومانہ انداز میں پیشوائیت کی حکومت (THEOCRACY) قائم کرنے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں تاکہ مولوی بھی خوش رہے اور سرمایہ دار بھی مامون۔

طلوعِ اسلام کا ایمان ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ رسالتِ محمدیہ پر ایمان نہ لائے۔ طلوعِ اسلام کا یہ بھی ایمان ہے کہ رسول اللہؐ نے قرآن کی اتباع فرمائی، لہٰذا قرآن کی اتباع ہی رسول اللہؐ کی سنت ہے۔ رسول اللہؐ نے امت کو قرآن دیا، لہٰذا قرآن سے متمسک رہنا ہی رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل ہے۔ طلوعِ اسلام مخالف ہے اس مذہب کا جو تیار تو ہوا دورِ ملوکیت میں لیکن منسوب کر دیا گیا جناب نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کی طرف۔ مذہبی پیشوائیت آج اسی مذہب کو سچا دین بتاتی ہے۔ اس لئے کہ اِس مذہب میں ان کی اپنی سیادت و امارت کا راز مضمر ہے۔

۱۴ سو سال کے بعد ہمیں پھر ایک خطۂ زمین ایسا نصیب ہوا اور یہ پہلا موقع آیا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ پاکستان کے آئین میں بالادستی کس قانون کو حاصل ہو۔ سوچئے ہم تاریخ کے کس دوراہے پر کھڑے ہیں؟ ایک طرف وہ راستہ ہے جو ہمیں اس تجربہ کی طرف لے جاتا ہے جو محمد رسول اللہ کی وساطت سے ۱۴ سو سال پہلے عمل میں آیا۔ دوسری طرف وہ راہ ہے جو ہمیں اس نظام کی طرف لے جاتی ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع کیا گیا۔ رجعت پسند قوتیں (RE-ACTIONARY FORCES) پھر سے اس نظام کو مسلط کرنے کی فکر میں ہیں جو ہمارے دورِ استبداد کی یادگار ہے۔

# اسے بھی پڑھ لیجئے!

قرآن ایک مستقل شریعت ہے۔ تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امتِ محمدؐ تم میں سے ہر شخص کیلئے ہم نے اس کتاب قرآنِ کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے۔ تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہیئے۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآنِ کریم ہی ہے۔ اور بس!

(پارہ ۶ - ۵ : ۴۸)
تفسیر ابنِ کثیر (ترجمہ :۔ مولوی محمد جوناگڑھی)
(نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب آرام باغ، کراچی)
(کاش تفسیر ابنِ کثیر کے شیدائی ہمارے علمائے کرام اس تفسیر کی مذکورہ بالا عبارت کو بھی امت کے سامنے پیش کرتے)

---

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ بِالْحَقِّ ........ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ (۵/۴۸)

قرآن کو ابدی صداقتوں کا ضابطہ ماننے والو! یہ وقت تمہارے لئے سخت امتحان کا ہے. ہم جانتے ہیں آپ بے سروسامان ہیں. ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مالکانہ مفاد پرست اور مذہبی پیشوائیت بڑے سازوبراق کے ساتھ میدان میں اتر آئی ہے کہ کسی طرح قرآن آگے نہ بڑھنے پائے. ان کے پاس شور مچانے کا سامان بہت ہے. ارباب حکومت بھی ان کے شور سے متاثر ہوجاتے ہیں کہ یہی اس دور کا انداز ہے. ہم جانتے ہیں کہ اس نقارخانہ میں تمہارے دبے سروں کا نغمہ کون سنے گا لیکن بایں ہمہ تم اپنی آواز کو اپنی وسعتوں کے مطابق بلند کرو. شاید قوم میں ایسی روحیں بھی ہوں جو بعض اوقات لے صوت صداؤں سے بھی بیدار ہوجایا کرتی ہیں. اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اپنی اپنی جگہ قراردادیں پاس کریں، لوگوں سے دستخط کرائیں، اخبارات میں بیانات شائع کرائیں. پریس کانفرنسیں منعقد کریں اور حکومت پر واضح کریں کہ آئین میں بالادستی قرآن ہی کی ہونی چاہیئے. سنت سے مراد اگر احادیث و روایات ہیں تو قانون سازی کے عمل میں احادیث جو قرآن سے متصادم نہ ہوں گی اور روایات جو قرآن کی کسوٹی پر پوری اتریں گی خود بخود شامل ہوتی جائیں گی.

آپ اپنا فرض ادا کریں. اس میں اگر آپ کامیاب نہ بھی ہوئے، تو بھی آپ کو اتنا اطمینان تو ہوگا کہ جب ہمارے سامنے موقع آیا تو ہم نے قرآن کی آواز کو بلند کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا.

## ۲۔ یادیں

زندہ قومیں اپنے محسنین و مشاہیر کی یادیں مناتی ہیں. ان تقاریب سے ان رفتگان کا کچھ نہیں سنورتا، نہ ہی ان کی یاد منانے سے ان کا کچھ بگڑتا ہے. وہ اس دنیا میں ہوتے ہی نہیں. ان تقاریب سے ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ ان مشاہیر نے جو احسان اس قوم پر کیا ہے اس کے لئے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار کیا جائے اور دوسرا یہ کہ نئی نسلوں کو اس حقیقت کی یاد دلائی جائے کہ دنیا میں نام اسی کا زندہ رہتا ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخشیوں کے کام سرانجام دے جائے. یہ تقریبیں قوموں کی زندگی ماپنے کا مقیاس ہوتی ہیں.

### ۲:۱۔ نذرانۂ عقیدت بحضور قائداعظم محمد علی جناح (بحوالہ ۱۱ستمبر ۱۹۴۸ء)

یہ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے. اس کے بعد ان کی دس سال کی زندگی ہمارے سامنے ہے. آپ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں پیش کرسکتے جس سے یہ ظاہر ہو کہ انہوں نے عام مقبولیت (پاپولیریٹی) حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کیا ہو. بلکہ (اس کے برعکس) عوام میں ہر دلعزیز بننے کے لئے عام طور پر جن خصوصیات کو ضروری سمجھا گیا ہے، ان میں وہ بھی نہ تھیں. نہ وضع قطع، نہ تراش خراش، نہ رکھ رکھاؤ. حتیٰ کہ نہ وہ شاعرانہ تقریر بازی، جس کی قوم اس قدر خوگر ہوچکی تھی.

نہ نصب العین کے مقابلہ میں کسی کے جذبات کی رعایت، نہ کسی کی خاطر اصول سے ایک قدم بھی انحراف۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن سے اچھے اچھے مقبولِ عوام بھی، غیر مقبول ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک یہ مرد خود شناس تھا کہ ان تمام موانعات کے باوجود ایسا ہر دل عزیز ہوا کہ اس کی موت پر کروڑوں آنکھوں نے، رات کی تنہائیوں میں، جب کہ خدا کے سوا اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، چپکے ہی چپکے آنسو بہائے اور ہر قلب نے یہ محسوس کیا کہ اس کا خود اپنا ایک حصّہ الگ ہو گیا ہے۔ میرے گھر کا دیا بجھنے سے میرے ہی گھر میں اندھیرا ہوتا ہے پڑوس والے کے ہاں بدستور روشنی رہتی ہے لیکن سورج غروب ہو جانے سے ہر ایک کے گھر میں تاریکی کی سیاہ چادر بچھ جاتی ہے۔ یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ جو اپنی روشنی کو کسی خاص چار دیواری میں محصور نہ رکھے بلکہ ان حدود و قیود سے بلند ہو کر اپنی روشنی کو عام کر دے۔ تاریخ کی رسدگاہوں سے جا کر پوچھئے یہ مقام بلند اسی کے حصّہ میں آتا ہے جو بغیر کسی ذاتی غرض و غایت کے حق و صداقت کے نصب العین کے حصول میں اپنی زندگی کو وقف کر دے۔ ذرا سوچئے کہ بالآخر ہمارے پاس وہ کونسی متاع ملی تھی جسے لے کر ہم اس بازار بیع و شریٰ میں نکلے تھے! ہمارے پاس تو وہ سوت کی انٹی بھی نہیں تھی جسے لے کر وہ بڑھیا یوسف کی خریداری کے لئے بازارِ مصر میں آئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ایک پلیٹ فارم، ایک جھنڈا، ایک نصب العین" یہ تھی ہماری کل متاع۔ مسلمان جیسی قوم کو جس میں قوتِ برداشت ہی نہ رہی ہو، ہندو جیسی قوم کی غلامی سے چھڑا دینا جو اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام ان سے لینا چاہتی تھی، ایک اعجاز ہے حیرت انگیز — ایک تغیر ہے معجز نما — لیکن معجزہ ہے یہ فقط پختگیٔ کردار کا — کرامت ہے یہ صرف حسنِ اخلاص کی — اور پھر ان دونوں کے ساتھ سعیٔ پیہم اور عملِ متواتر — ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آ گیا اور بانیٔ پاکستان محمد علی جناح (اللہ کی اس پر ہزار ہزار رحمتیں) ۱۱۔ستمبر ۱۹۴۸ء کو آسودۂ خاک ہو گئے۔ گو کہ قوم نے بصد عقیدت ان کا مزار تعمیر کر دیا لیکن ہمارے نزدیک ان کی بہترین یادگار اس نظام کا قیام ہے جس کے لئے پاکستان کا وجود عمل میں آیا ہے اور وہ نظام سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اس خطۂ زمین پر کوئی شخص کسی انسان کا محکوم نہ رہے۔ سب خدا کے محکوم ہوں۔ یہی نظام قائداعظم محمد علی جناحؒ کی صحیح یادگار ہے کہ باقی سب یادگاروں کا ثبات اسی نظام کے ثبات کے ساتھ وابستہ ہے۔ مٹی اور پتھر کی کس قدر بیش بہا یادگاریں ہیں جو ہمارے اسلاف نے ہندوستان میں قائم کیں لیکن وہاں وہ اس نظام کو قائم نہ کر سکے جس میں مسلمانوں کی حیاتِ دوام کا راز مضمر ہے۔ اس لئے آج ان یادگاروں میں کوئی جھاڑو دینے والا بھی نہیں۔

## ۲:۲ - نذرانۂ عقیدت بحضور شہدائے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء

تشکیلِ پاکستان کے بعد، سال میں دو دن ایسے آتے ہیں جنہیں ہم حاصلِ مراد قرار دیتے تھے۔ ایک یوم پاکستان

جب قوم نے اپنے لئے ایک جداگانہ آزاد مملکت کے حصول کے عزم راسخ کا اعلان کیا اور دوسرا یوم آزادی جب ہمارا مقصود حاصل ہو گیا لیکن اب ہماری حیاتِ اجتماعیہ میں یہ تیسرا دن ایسا ہے جو ان دونوں دنوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے زیادہ اہم ہے کہ ایک پیدائشی اندھے کی بینائی سے محرومی بھی کچھ کم وجۂ سوہانِ روح نہیں ہوتی۔ لیکن جو شخص بینائی حاصل کرنے کے بعد کسی حادثہ سے، پھر سے نابینا ہو جائے اس کی باقی زندگی کس قیامت کے کرب و اضطراب سے گذرتی ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ حصولِ آزادی سے پہلے، ہم آزادی کی لذت سے ناآشنا تھے۔ اس لئے اس سے محرومی ہمارے لئے باعثِ دردِ سر تو ضرور تھی، وجۂ سوزِ جگر نہیں تھی۔ لیکن آزادی کے بعد، اگر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے نتیجہ میں، خدانکردہ، ہزار بار خدانکردہ، ہم اپنی آزادی سے محروم ہو جاتے تو اس سے ہماری جو حالت ہو جاتی، اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ یہ وجہ ہے جو ہمارے نزدیک، وہ دن، جب ہماری آزادی چھنتے چھنتے بچی اور ہماری متاعِ حیات لٹتے لٹتے محفوظ رہی، ہماری تاریخ کا عظیم ترین دن ہے۔ اور جنہوں نے اس وقت اپنی جانیں دے کر ہماری زندگی کا سامان مہیا کر دیا، اس قابل کہ — جب تک پاکستان زندہ و پائندہ ہے — خدا اسے ابدالآباد تک زندہ و پائندہ رکھے — ملتِ پاکستانیہ کا ہر فرد، بصد خلوص و محبت اور بہ ہزار تسلیم و نیاز، ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرے۔

سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش بانہالِ ملتِ ماسازگار آمد

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۲/۱۵۷)

## ۳۔ گلہائے عقیدت بحضور رسالتمآبؐ (بحوالہ، ستمبر ۱۹۷۴ء)

آج کا دن میری زندگی کا مبارک ترین، شاداب ترین، حسین ترین، کامیاب ترین دن ہے کہ آج میرا عمر بھر کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا۔ تحفظِ ناموسِ رسالتؐ، جسے ختمِ نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے، میرے ایمان کی بنیاد اور میری زندگی کا مقصد رہا، اور ہے۔ للہ الحمد، کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ میرا یہ مقصد اس شکل میں حاصل ہوا کہ مملکتِ پاکستان نے آئینی اور قانونی رُو سے فیصلہ کر دیا کہ ختمِ نبوت کا منکر مسلمان قرار نہیں پاسکتا۔ اُسے امتِ محمدیہؐ کا فرد تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ میرے لئے یہ دن بارگاہِ ایزدی میں ہزار ہا سجدۂ شکرانہ ادا کرنے کا دن اور یہ ساعت، بحضور رسالتمآبؐ گلہائے تہنیت و عقیدت پیش کرنے کی ساعتِ سعید ہے۔

(علامہ غلام احمد پرویزؒ)

# ۴۔ طلبہ اور سیاست

طلوعِ اسلام ۱۹۷۴ء سے پکار رہا ہے کہ ہمارا بدنصیب ملک اگر اس خلفشار کے ہاتھوں، جو اس وقت ہمہ گیر ہو رہا ہے بچ بھی گیا، تو جو قوم ہم اس وقت اپنی درسگاہوں میں تیار کر رہے ہیں اس کے ہاتھوں یہ کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکے گا۔ خدا معلوم وہ کون تھا جس نے ہماری درس گاہوں میں (UNIONS) کا تصور دیا تھا۔ مختلف تجارتی یا صنعتی اداروں میں ملازموں کی (UNIONS) کا خیال تو قابلِ فہم ہے کیونکہ اس میں مالکوں اور ملازموں کے مفادات میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور ملازم اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اجتماعی اقدامات ضروری خیال کرتے ہیں۔ (اگرچہ اس وقت یہ اجتماعی اقدامات جو نتائج مرتب کر رہے ہیں وہ بھی تعمیری کی بجائے تخریبی زیادہ ہیں) لیکن بہرحال ان (UNIONS) کا تصور قابلِ فہم ہے۔ لیکن کالجوں میں طلبار کی یونینز کا تصور...... ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ کیا ان درس گاہوں میں طلبار اور اساتذہ کے مفادات میں تصادم ہوتا ہے جس کے لئے طلبار اپنی اجتماعی تنظیمات ضروری سمجھتے ہیں۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بڑا مقدس سمجھا جاتا تھا جس کا ایک سرا شفقت اور دوسرا سرا احترام کی گل پوش شاخوں سے بندھا ہوا ہوتا تھا۔ ان میں تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری درس گاہوں کی یونینز بھی طلبار کے مفاد کے لئے تنظیمی کوششیں نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت مختلف سیاسی پارٹیوں کی ذیلی تنظیمیں ہیں اور ان میں وہی کچھ ہوتا ہے جو ان کی سربراہ پولیٹیکل پارٹیوں میں ہوتا ہے۔ پولیٹیکل پارٹیوں میں تو لیڈروں کو بڑی عمر میں جاکر وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جسے اگر وہ اپنی نجی زندگی میں کریں، تو کوئی شخص انہیں کرایہ پر مکان تک دینے کے لئے بھی رضامند نہ ہو لیکن افسوس ہے کہ یہ پارٹیاں اپنے وقتی مفاد کی خاطر ان معصوم بچّوں کے قلب و دماغ کو بھی انہی خباثتوں سے آلودہ کئے جا رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ان بچّوں کے سامنے زندگی کی کوئی بلند اقدار ہوں، یہ میکیاولی سیاست کے ایکسپرٹ بن کر درس گاہوں سے نکلتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ جب یہی بچّے کل کی قوم بنیں گے تو ان کے ہاتھوں اس ملک کا حشر کیا ہوگا؟

الحمد للہ کہ سپریم کورٹ نے اس صورتِ حال کا نوٹس لیتے ہوئے طلبا کی سیاست بازی بند کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ داخلے کے وقت طلبار و طالبات اور ان کے والدین کو یہ تحریری بیان حلفی دینا ہوگا کہ وہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے۔ حلف نامہ نہ دینے پر داخلہ بھی نہیں ملے گا۔ حلف نامے کی خلاف ورزی پر بلا نوٹس تعلیمی ادارے سے اخراج ہو جائے گا۔ تعلیمی اداروں کی فضا سازگار بنانے کی سمت یہ بڑا جراٗت مندانہ اقدام ہے جس کے لئے قوم سپریم کورٹ کی تہِ دل سے ممنون ہے۔

## ۶۔ "نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ——"

یورپ کے عین قلب میں ایک کروڑ اسی لاکھ مسلمانوں کی ایک جمعیت آباد ہے —— تذبذب میں ہوں کہ اہیں ہے' کہیں کہ 'تھے' لکھیں کیونکہ جس رفتار سے ان کے خلاف کاروائیاں ہو رہی ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود قائم نہ رہے اور ایک ابھرتی ہوئی مسلم مملکت میں ہسپانیہ کی تاریخ دہرادی جائے۔

سلطنتِ عثمانیہ کے زمانے میں ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اور آج تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ روس کا کالادین نظام ختم ہوا' وہ گیارہ آزاد مملکتوں میں تقسیم ہو گیا' تو اس کے حواری ممالک میں بھی قومیت کی بنیاد پر نئی مملکتیں ابھرنے لگیں' رومانیہ' ہنگری' پولینڈ اور پھر چیکوسلواکیہ چیک اور سلوواک مملکتوں میں تقسیم ہو گیا —— یہی معاملہ یوگوسلاویہ میں بھی درپیش تھا۔

بس یہیں مقطع میں سخن گسترانہ بات آن پڑی کہ یہاں بوسینا ہرزگووینا نام کی ریاست نے مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہاں ۸۲ فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یہ بات بلگریڈ میں براجمان آمریت کے پروردوں کی طبع نازک پہ اتنی گراں گزری کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس کی آزادی کو تسلیم کرنے پہ رضامند نہ تھے بلکہ وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو بزورِ شمشیر اس بات سے باز رکھنے کے لئے صفحہ ہستی سے مٹانے پہ تُل گئے۔

ان کا دارالخلافہ سراجیو ہفتوں سے محاصرے میں ہے' دن رات وہاں گولے برسائے جا رہے ہیں۔ وہاں خوراک کی' کھانے پینے کی' دواؤں کی قلت پیدا ہوئی' تو اقوامِ متحدہ کے کان پہ جوں رینگی اور انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر خوراک کی بہم رسانی کی مہم شروع کی مگر مخالفوں نے اسے بھی کامیاب نہ ہونے دینے کا تہیہ کر رکھا ہے' روز گولے برستے ہیں ایک ایسی اسٹیج بھی آئی کہ اقوامِ متحدہ کے مشن نے وہاں سے نکل آنے کا ارادہ کر لیا۔

اردگرد ساری مہذب مملکتیں یہ دیکھ رہی ہیں' خاص طور پر خوشحال اور مضبوط مملکتیں جرمنی اور فرانس اور دنیا کے امن کی اقوامِ متحدہ سے بھی بڑی ٹھیکیدار مملکت امریکہ سُست انداز میں بات چیت میں مصروف ہیں سامان پہنچانے والوں کو طاقت کے استعمال کی اجازت دیں' نہ دیں —— کیا طریقے اختیار کئے جائیں' پناہ گزین جرمنی کا رُخ کئے ہوئے ہیں' ہزاروں کی تعداد میں لوگ ملک سے بھاگ رہے ہیں مگر محاصرے میں پھنسے ہوؤں کے لئے تو راہِ فرار بھی نہیں ——

اقوامِ متحدہ کچھ نہ کرتی تو کچھ گلہ نہ تھا کہ وہ تو امریکہ بہادر کے حرم کی لونڈی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس نے فلسطین کے لئے کیا کیا ہے' لبنان میں کیا گل کھلائے ہیں' جنوبی افریقہ میں کونسا تیر مارا ہے' کشمیریوں کی کب اشک شوئی کی ہے' عراق راہِ راست پر نہ آئے تو دنوں میں ہزاروں لاکھوں فوجی اپنے اور اپنے حواریوں کے اکٹھے کر کے صف آرا کئے

سکتے ہیں، بحری بیڑے حرکت میں آجاتے ہیں، ہوائی بیڑے آسمانوں پر بادلوں کی طرح منڈلا سکتے ہیں اور ایک دن رنے کے بعد وہ بے دریغ بمباری کی جاسکتی ہے کہ شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے۔ لاکھوں انسان اندھادھند بے دریغ بمباری کی نذر ہوجاتے ہیں ــــ اور مغربی مہذب ممالک کا یہ ٹولا فتح کے شادیانے بجاتا ہوا جعت فرما ہوتا ہے اور اقوامِ متحدہ اور اس کے انسانی حقوق کے سب ادارے عراقی عورتوں، بوڑھوں کو بچوں کو ستا، سکتا، دواؤں سے محروم تڑپتا دیکھتے ہوئے مہر بہ لب رہتے ہیں ــــ

ان سے گلہ فضول ہے، ایک مسلمان ممالک کی تنظیم بھی ہے ــــ اور ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے کی زندہ مثال ہے ــــ اول تو وہ کچھ کر نہیں سکتی کہ کچھ کرنے کے قابل نہیں ــــ لیکن اس دور میں رائے عامہ کو بیدار کر کے ضمیرِ عالم و بیدار کرنے کا کام تو کیا جاسکتا ہے، آج قاہرہ خاموش ہے، دمشق لب بستہ ہے، سعودی عرب چپ ہے امارات کے امیر خوابِ خرگوش میں ہیں، ایک ایران ہے جس نے آواز بلند کی ــــ اور پھر یہ سعادت پھر پاکستان کے حصے میں آئی کہ اس نے اسلامی ممالک کی انجمن سے ریزولیوشن تو پاس کرادیا کہ خدارا بوسینا ہرزگووینا کے لئے کچھ کرو۔ وہاں لوگ بھوکے ہیں، پیاسے ہیں، لوگ جانوروں کے باڑوں میں قید ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں انہیں قتل کیا جارہا ہے؛

ــــ ہمارا وہ اسلامی جذبہ جو عہدِ غلامی میں بھی زندہ تھا آج کہیں نظر نہیں آتا، لاہور کی شاہراہوں کے جلوس ــــ روندے سرنا دے بال (سمرنا کے بچے رو رہے ہیں) کا واسطہ دے کر مصطفٰے کمال اور انور پاشا کی دہائی دیتے تھے ــــ آج کچھ اور ہی راگ الاپ رہے ہیں، ساری اسلامی جماعتیں، جمعیتیں جو اسلام کے غم میں، اکبر الٰہ آبادی کے لفظوں میں ڈبل روٹیاں کھاکر، حلوے سے پیٹ بھر کر حکومتوں، اسمبلیوں، سینٹوں میں براجمان ہیں اپنی ہی سیاستوں میں مشغول ہیں ــــ کون کس کو الزام دے سبھی ایک سے شغل اختیار کئے ہیں، ہم کہ بے بس ہیں، صرف دستِ دعا اٹھا کر فریاد کرسکتے ہیں۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آج عجب وقت پڑا ہے

ہماری سب سے، اپنی حکومت سے، اپوزیشن سے، خاص طور پر اسلام کا دم بھرنے والی جماعتوں سے درخواست ہے کہ شہر شہر ایسی ریلیاں منعقد ہوں، رائے عامہ کو بیدار کیا جائے، ساری دنیا کے نمائندے یہاں ہیں، سفارتخانے ہیں، انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کیا جائے ــــ جماعت اسلامی کے قاضی صاحب نے آواز ضرور اٹھائی ہے مگر ن سے اس سے زیادہ کی توقع کی جاسکتی ہے ــــ

بوسینا ہرزگووینا میں کیا صورتِ حال ہے اس کی جھلک ہمارے اخبارات میں کسی حد تک ظاہر ہوئی ہے ورنہ شاید

ہم اس سب سے بے خبر ہی رہتے، ذیل میں ہم 'دی نیوز کے ........ میں چھپنے والے ایک مضمون کا اقتباس دے رہے ہیں تاکہ صورتِ حال سے آگاہی رہے۔

"دنیا کو اس بات میں کوئی شک و شبہ میں مبتلا نہ رہنا چاہیئے کہ ۹۲ء میں چشمِ فلک ایک مسلمان مملکت (جس میں ۱۸۰ ملین مسلمان آباد ہیں) کا وجود ختم ہوتے ہوئے اور اس کی آزادی کے چراغ کو گل ہوتا ہوا دیکھ رہی ہے، ہر طرف سے گھرے ہوئے یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت گولوں کی زد میں ہیں، قتل کئے جا رہے ہیں اور زبردستی گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں، گھر بار چھوڑنے سے پہلے انہیں بزور مجبور کیا جا رہا ہے کہ زمین، گھر بار سے دست کش ہونے پہ رضامندی کی مہر ثبت کر کے جائیں ـــــ

۷۰ فیصد علاقے کا صفایا ہو چکا ـــــ جو عیسائیوں کی یورش سے یہاں وہاں بچ جائیں گے وہ ان کے غلام بن کر رہیں گے ـــــ باقی فلسطینیوں کی طرح دوسرے ملکوں میں پناہ گزینوں کی شکل میں رہتے دکھائی دیں گے۔

اس شیطنت کا آپ کیسے احاطہ کر سکتے ہیں جو عثمانی سلطنت کے عظیم ورثہ کے حامل شہروں FOCA اور GORZADE میں بپا ہے، جہاں الاذا مسجد جیسی عمارتیں ہیں اِدھر اُدھر سے بھاگ کر آئے ان شہریوں سے بھرے ہوئے ہیں جن پر دن رات ۱۳۰ ملی میٹر کی توپوں اور راکٹوں سے قیامت خیز گولہ باری کی جا رہی ہے۔

عمارتوں کو، ورثے کو چھوڑیئے ـــــ انسانی کرب کا اندازہ کیجئے جس سے وہ آبادی گزر رہی ہے ـــــ بچے جن کی لاشیں نشانِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔ جانوروں کے باڑوں میں پابند، بند سلاخوں سے باہر پھیلے ہوئے ان ماؤں کے ہاتھوں اور لبوں پہ فریادوں کو سنیں جو اپنے پیاس سے مرتے ہوئے بچوں کے لئے پانی کی بھیک مانگ رہے ہیں اور جواب نہیں پاتے، بچے پیاس سے مر جاتے ہیں۔

CONCENTRATION CAMPS کا وجود ثابت ہو چکا ہے ـــــ پیٹر کیسلر، اقوامِ متحدہ کی پناہ گزینوں کی کمشنر کے نمائندے کے مطابق ۵۸۹ مسلمان مرد ایک سٹیڈیم میں قید ہیں جو کروشیا کی سرحد کے قریب بوسانسکی نوی میں واقع ہے۔

۱۵ مسلمان دو دن پہلے ہوٹل میں لے جائے گئے جہاں ان پر تشدد کیا گیا، اس کے بعد

وہ کہیں نہیں ملے ـــــ

قیدیوں کی جائے قیام راتوں رات بار بار بدلی جاتی ہے، اس انداز میں ۶۵۰۰ اور بوسنین کروشیا منتقل کر دیئے گئے۔

حکومت بوسنیا کے مطابق ایسے ۱۵ کیمپ قائم ہیں۔ بوسانسکی لوزی میں ۶۰۰۰ انسان ایسے ہی ایک کیمپ میں رکھے گئے ہیں۔"

ـــــ یہ رپورٹیں غیر جانبدار (کیا یہ لفظ اپنے معنی نہیں کھو چکا) اداروں مثلاً ریڈ کراس اور اقوام متحدہ کے ـرے اداروں کی ہیں ـــــ اصل حالات کا اندازہ کسی حد تک ان بھری ہوئی بسوں سے ہوتا ہے جو دن رات ان ـاقوں کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جانے والے لوگوں سے بھری دکھائی جاتی ہیں ـــــ

دنیا اس باقاعدہ نسل کشی کا نظارہ کب تک دیکھتی رہے گی کہ چھوٹے بچوں کو، شیر خوار بچوں تک کو قتل کیا جا رہا ہے، بچوں سے بھری ہوئی بس کو جو اس جہنم سے دور لے جائے جا رہے تھے، گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے ـــــ عورتوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو مہذب کہلانے والی دنیا کب تک اس وحشت اور بربریت سے آنکھیں بند رکھے گی۔

ڈاکٹر سید عبدالودود

# ملاوٹ

## (دین میں ملاوٹ کا نیا انداز)

فی زمانہ اکثر اشیاء میں ملاوٹ موجود ہے۔ آٹے میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، دودھ میں ملاوٹ، چائے میں ملاوٹ صنعت عام ہونے کے بعد ہوا میں ملاوٹ وغیرہ۔ لیکن یہ سب ملاوٹیں حال ہی کی پیداوار ہیں۔ اس کے برعکس دین اسلام میں ملاوٹ، خلافت کے ملوکیت میں بدلنے کے بعد کئی صدیاں پیشتر شروع ہو چکی تھی۔ جب غیر از قرآن تصورات کو وحی کا ہم پلہ بنا کر، (الدّین) میں شامل کر دیا گیا تھا لیکن موجودہ دور میں یہ ملاوٹ ایک نیا رُخ اختیار کر رہی ہے۔ یہ ہے ’ الدین ‘ میں مغربی جمہوریت کے افکار و تصورات کی ملاوٹ۔ روزنامہ نوائے وقت میں ایک مضمون بعنوان "اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کا دستوری خاکہ،، محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ میرا آج کا تبصرہ، نوائے وقت مورخہ ۵۔ جون ۹۲ء کے حوالے سے ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون لفظِ شریعت سے شروع ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔" شریعتِ اسلامی کے احکام کا بڑا حصہ تو عبادات سے متعلق ہے ......"

اب دیکھئے کہ لفظِ شریعت کے معنی درحقیقت کیا ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اسے کن معنوں میں استعمال کیا ہے — جہاں تک قرآنِ کریم میں متعین کردہ قوانین کا تعلق ہے ان کی صورت یہ ہے:۔

(۱) چند ایک احکام ایسے ہیں جو جرائم کی شق میں آتے ہیں اور ان کی سزا بھی متعین کر دی گئی ہے۔ مثلاً جرم زنا۔

(۲) ایسے احکام جن کی حیثیت قانونی ہے، لیکن جن کی تعزیری شکل قرآن نے خود متعین نہیں کی۔ مثلاً خمر (شراب) کہ اسے ممنوع تو قرار دیا گیا ہے لیکن اس کی تعزیری تفصیل خود نہیں دی۔ اسے اسلامی مملکت کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۳) ایسے معاشرتی یا اخلاقی احکام جن کی حیثیت انفرادی ہے۔ مثلاً لباس کے متعلق کہ یہ پردہ کے لئے ہے۔ اسلامی مملکت ضروری سمجھے تو ان میں سے ضروری احکام کو بھی قانونی شکل دے سکتی ہے۔

واضح رہے کہ قرآنِ کریم کے اصول یا قوانین سب غیر متبدل ہیں اور کسی فرد یا مملکت کو ان میں رد و بدل کا حق حاصل نہیں۔ اسلامی مملکت ان قوانین کے نفاذ کی عملی شکلیں اور طریقِ کار مرتب کرسکتی ہے اور ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے جزئی قوانین وضع کرسکتی ہے۔ اس طرح جو کچھ اسلامی مملکت کی طرف سے نافذ ہو اسے قانونِ شریعت کہتے ہیں۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اسلامی مملکت یہ تو کرسکتی ہے کہ معاشرہ کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر قرآنی احکام کو بتدریج نافذ کرے اور اس طرح رفتہ رفتہ معاشرہ کو صحیح قرآنی قالب میں ڈھال دے لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ بعض احکام کو قرآن سے لے لے اور دوسرے احکام باہر سے اور اس مرکب کا نام اسلامی قوانین رکھ لے قرآن کی رُو سے ایسا کرنا سنگین جرم ہے اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں رسوائی کا موجب۔ (۸۶-۲/۸۵)

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ایک چیز ہے الدین اور ایک چیز ہے الشریعۃ۔ الدین ان غیر متبدل اصولوں اور مستقل اقدار کو کہیں گے جو ضابطۂ خداوندی کی اصل اور اساس ہیں اور شریعت ان جزئی اور تفصیلی احکام کو جو ان اصولوں کے تابع وضع کئے جائیں۔ اصولِ دین ہمیشہ ایک رہے ہیں۔ وہ ہر نبی کی وساطت سے ہر قوم کو دیئے جاتے رہے۔ ان میں شروع سے آخر تک کوئی فرق نہیں۔ لیکن الدین پر چلنے کے طور طریقے مختلف زمانوں اور مختلف اقوام و ممالک کے احوال و ظروف کے مطابق مختلف ہوتے رہے۔ (ان طور طریقوں کے لئے جو قرآنِ کریم میں منہاج اور مناسک کے الفاظ بھی آئے ہیں)۔ اب جو کچھ قرآنِ کریم میں آگیا ہے خواہ وہ اصولِ دین ہوں یا احکام، وہ سب غیر متبدل ہے لیکن جن اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں انہیں اسلامی مملکت (خلافت علیٰ منہاج رسالت) خود متعین کرے گی انہیں احکامِ شریعت کہا جائے گا۔ اصول غیر متبدل رہیں گے۔ ان جزئیات میں حسبِ اقتضائے زمانہ تبدیلیاں ہوسکیں گی۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن کا لفظ چھوڑ کر اس کی جگہ شریعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ان کی تحریر کے اگلے حصے سے ظاہر ہے۔ یہ قرآن میں غیر قرآنی عنصر کو شامل کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآنِ کریم کے مطالب کو وہ کس بے رحمی کے ساتھ توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت (۵/۴۴) کا حوالہ دیتے ہوئے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ کا ترجمہ کرتے ہیں۔

"جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔"

یعنی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا ترجمہ شریعت کرتے ہیں۔ یہ کس قدر غلط تصور ہے۔ قرآنِ کریم کے لئے جو منزل کا لفظ آیا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وحی رسولؐ کے اپنے ذہن کی پیداوار (SUBJECTIVE چیز) نہیں ہوتی بلکہ باہر سے خارج سے (OBJECTIVE) ملتی ہے۔ وحی ایک خارجی حقیقت ہے انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں۔ اسی لئے وحی کسبی

سے حاصل نہیں ہو سکتی، یہ صرف خدا کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہے۔ مادی کائنات میں انسان اپنی سعی و کاوشس سے چیزوں کے اوپر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھاتا ہے۔ اسے (DISCOVERY) کہتے ہیں۔ لیکن وحی میں حقیقت خود اپنے آپ کو نبی پر منکشف کرتی ہے۔ اسی لئے اس کے لئے انزال کا لفظ آیا ہے یعنی انسان خود بلند ہوتا ہوا حقیقت کے چہرے سے پردہ کشائی نہیں کرتا بلکہ حقیقت خود نیچے اُتر کر اس کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ یہ چیز وحی کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور چونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ کی ذات پر ختم ہو گیا۔ اس لئے اب انسانوں کے پاس علم کے دو ہی ذریعے رہ گئے۔ ایک قرآن کریم کے اندر محفوظ حقائق اور دوسرے خارجی کائنات میں انسانی علم و عقل کی رُو سے منکشف کردہ حقائق۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا ذریعۂ علم انسان کے پاس نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ قرآنِ کریم کے احکامات و مستقل اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اسلامی مملکت کی طرف سے جو جزئیات وضع کی جائیں ان کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ مَآ اَنزَلَ اللہُ کا ترجمہ شریعت کرنا درست نہیں۔

پھر اور آگے بڑھیے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

.....اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ؕ.... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

(۲/۸۵)

"یہ کیا کہ تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے روز سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان سے غافل نہیں"۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو قوم ضابطۂ خداوندی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور جو حصہ مفید مطلب ہو اس پر عمل کرتی ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتی ہے تو ایسی قوم کی حال کی زندگی ذلت اور رسوائی کی زندگی ہو گی اور مستقبل کی زندگی بھی اندوہناک تباہیوں سے لبریز۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس آیت میں لفظ کتاب کا ترجمہ پھر 'شریعت' کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "کیا تم ہماری کتاب (یعنی شریعت) کے کچھ حصے کو تسلیم کرتے ہو......" قرآن خود اپنے آپ کو کتاب کہتا ہے اور لفظ کتاب کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلے تو یہ دیکھئے کہ قرآنِ کریم نے جب اپنے آپ کو کتاب کہا ہے، تو قرآن منتشر اوراق یا کھجوروں کے پتوں یا ہڈیوں کے ٹکڑوں پر بکھرا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب و مدون تھا۔

کتاب کے معنی فیصلہ اور حکم کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (۲/۱۷۸) یا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲/۱۸۳)۔ یعنی جو کام قانوناً لازم قرار دیا جائے۔

تفسیر المنار میں ہے کہ کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ یہ اسمِ جنس ہے ان چیزوں کے لئے جو لکھی جائیں ـــ اور ذالک الکتاب (۲/۲) سے اشارہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ نے صرف قرآن کریم ہی لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ قرآنِ کریم کے علاوہ اور کچھ لکھنے کا حکم نہیں تھا۔ لہذا مکتوب صورت میں صرف قرآن کریم ہی موجود تھا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اب میں قرآن کریم کی صرف ان آیات کو سامنے لاتا ہوں جن میں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے۔

۱۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ....... وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۵ (۳/۳-۴)۔ اس نے (اے محمدؐ) تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو سراپا حق ہے اور ان تمام دعاوی کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس سے پہلے خدا کی طرف سے آ چکے ہیں (مثلاً) تورات اور انجیل میں جو اس سے پہلے نوعِ انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجی تھیں۔ ان کے بعد یہ ضابطہ حیات آیا ہے جو حق اور باطل کو نکھار کر الگ کر دے گا۔

۲۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ (۲/۱۷۶) خدا نے جو کتاب نازل کی ہے وہ اٹل حقیقت ہے۔

۳۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۵ (۲۶/۱، ۱۲/۱) یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو واضح اور فصیح ہے۔

۴۔ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۵ (۴۴/۲، ۴۳/۲) اس کتابِ روشن کی قسم جو واضح ہے۔

۵۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۵ یہ قوانین جو تمہارے سامنے ہیں یہ قرآنِ کریم یعنی واضح کتابِ ہدایت کے ہیں۔ (۲۷/۱)

۶۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ....... بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ ...... (۴/۱۰۵)۔ اللہ نے (اے رسولؐ!) تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے نزاعی امور کے فیصلے اس علم کے مطابق کرو جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔

۷۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ...... رَبِّكَ الْحَقُّ ..... (۱۳/۱) یہ کتابِ خداوندی (قرآن) کی آیات ہیں یعنی اس ضابطہ خداوندی کے قوانین جو تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے تجھ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔

۸۔ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ ...... (۶/۱۵۶)۔ (اس سے پیشتر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی (۶/۱۵۵)۔ اب اس کے بعد یہ کتاب مبارک تمہیں دی گئی ہے پس تم اس کا اتباع کرو۔

۹۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ..... (۳۸/۲۹) یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت کتاب ہے۔ (یعنی اس کی پیروی کا نتیجہ استحکام، کثرتِ ثبات اور نشوونما ہے)۔

۱۰۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۵ (۴۱/۳) (قرآن) ایک ایسی کتاب نازل کر دی جس کے احکام الگ الگ نکھار کر بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہ رہے۔

اس کی زبان بھی بڑی واضح اور صاف ہے تاکہ جو لوگ علم و بصیرت سے کام لے کر اسے سمجھنا چاہیں ان کے سامنے اس کے مطالب واضح طور پر آجائیں۔

۱۱۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ... (۶/۱۱۴) (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون کے مطابق معاملات کے فیصلے کرنے لگ جاؤں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک واضح اور مفصل کتاب نازل کی ہے۔

۱۲۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ...... (۳۹/۲۳) اللہ نے اس وحی کو بتدریج اس انداز سے نازل کیا ہے کہ یہ اپنے حُسن و توازن میں کمال تک پہنچ گئی ہے۔ یہ کتاب کی شکل میں ہے جس کی ہر شق دوسری سے ملتی ہے۔ (کہیں کوئی اختلاف نہیں تضاد نہیں) اور پھر دہرائی جاتی ہے۔

۱۳۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ (۱۰/۱) یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو سرتاپا حکمت پر مبنی ہے۔

۱۴۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۳۱/۲-۳) یہ آیات اس کتاب کی ہیں جو سرتاپا حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے کے متمنی ہوں سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی اور ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان ہے۔

۱۵۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (۱۱/۱) یہ وہ کتاب ہے جس کے قوانین محکم بنیادوں (مستقل اقدار) پر استوار کئے گئے ہیں اور ایسے واضح اور نکھرے ہوئے انداز میں بیان کئے گئے ہیں (کہ ان میں کسی قسم کا اشتباہ و ابہام نہیں رہ سکتا) اس لئے کہ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ یعنی جو کائنات کے تمام حالات اور انسانی مقتضیات سے واقف ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔

۱۶۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۲/۲) یہ کتاب جس کے ضابطۂ قوانین میں نہ کوئی شک و شبہ ہے نہ کسی قسم کی نفسیاتی اُلجھن ہے اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ہر شے کے نکتۂ آغاز سے لے کر اس کے نکتۂ تکمیل تک نشوونما دینے والا ہے۔

۱۷۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (۴۵/۲، ۳۹/۱)۔ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو ہر شے پر غالب ہے اور تمام سلسلۂ کائنات کو اپنی تدبیر کے مطابق چلا رہا ہے۔

۱۸۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (۴۰/۲) یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے

نازل ہوئی ہے جو بڑے عظیم اقتدار کا مالک ہے اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

۱۹۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (۱۴/۱) یہ کتاب ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کی ہے کہ تُو اس کے ذریعے نوعِ انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور اس کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق انہیں خدا کے تجویز کردہ راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال اور حُسن و قوت کا مالک ہے۔ (۱۴/۱)۔

آخر میں مَیں ایک آیت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت میں بالخصوص پیش کرتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق ان کے مضمون کے اگلے حصے سے ہے — یہ آیت درج ذیل ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۶/۶۴)

(اے رسولؐ!) ہم نے تیری طرف یہ کتاب بھیجی ہی اس لئے ہے کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں انہیں نمایاں کر کے دکھا دے تاکہ باہمی اختلافات مٹنے کے بعد نوعِ انسانیت امّتِ واحدہ بن سکے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ضابطہ سے صرف وہی لوگ راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں اور یہ انہی کو نشوونما بہم پہنچا سکتا ہے جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں۔

یہ ہے وہ کتاب اور یہ ہیں اس کی خصوصیات، جس کا ترجمہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے شریعت کیا ہے۔ اس کتاب کے احکامات اور مستقل اقدار غیر متبدل ہیں جبکہ شریعت ان اقدار اور مستقل اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنے والی شے ہے۔ کیا اوپر بیان کی گئی خصوصیات شریعت کی ہیں یا کتاب کی ؟

صرف ایک مرتبہ قرآنِ کریم میں الشریعۃ کا لفظ الدّین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن وہ ریاست یا اسلامی نظام کے متعلق نہیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "راقم جو بات آج تک مطالعے اور غور و فکر کے نتیجے میں انشراحِ صدر کے ساتھ عرض کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ (یعنی ان کی مجوزہ اسلامی ریاست) وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق بلند ترین جمہوری روایات کی حامل ریاست ہوگی ......"

کاش کہ ڈاکٹر صاحب ان بلند ترین جمہوری روایات کا ذکر بھی فرما دیتے کیونکہ اس مغرب کی وضع کردہ جمہوریت کے طفیل اس ملک میں جو کچھ سامنے آیا ہے وہ عیاں ہے۔ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اس جمہوریت کے ذریعے

ہر قسم کی استحصالی قوتیں اس حد تک زور پکڑ گئی ہیں کہ عوام الناس بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ فرعون، ہامان اور قارون اپنی انتہائی بلندی پر ہیں اور عوام قعرِ مذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس نُچ پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں۔ جو چیز نمایاں طور پر سامنے ہو اُسے تحریر میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی ضرورت محسوس کرے، تو روزانہ صبح ۴ روپے خرچ کر کے کوئی اخبار پڑھ لے۔

ڈاکٹر صاحب جس جمہوریت کا پیوند نظامِ اسلام پر لگانا چاہتے ہیں۔ اس سے تو خود جمہوریت کے موجد بیزار ہو چکے ہیں۔ پہلے یہ دیکھئے کہ ڈیماکریسی کی بنیاد کن مفروضات پر قائم ہے؟

۱۔ اس اندازِ حکومت میں حاکم اور محکوم کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اس میں عوام خود اپنی حکومت آپ کرتے ہیں۔

۲۔ عوام کا منشاء ان کے نمائندگان کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے۔

۳۔ کسی فیصلے کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار ان نمائندگان کی اکثریت رائے ہوتا ہے اور اقلیت کو اکثریت کے فیصلے صحیح تسلیم کرنے پڑتے ہیں اور تمام افرادِ مملکت پر ان کی اطاعت لازمی ہے۔

شخصی حکومت کے ڈسے ہوئے انسانوں نے اس نظریہ کو آیۂ رحمت سمجھا اور اس کے نفاذ پر مسرت و شادمانی کے جشن منائے گئے۔ دنیا کی قریباً ہر قوم نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ جس نے اس اندازِ حکومت کو اختیار نہ کیا یا اس کی مخالفت کی، تو اُسے انسانیت کا دشمن قرار دیا گیا۔ لیکن اس غلغلے کی ہنوز صدائے بازگشت بھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ اُسی مغرب سے اس قسم کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں کہ یہ نظریہ نرا فریب ہے چنانچہ لنڈن یونیورسٹی کے پروفیسر الفرڈ کوبن نے CRISIS OF CIVILIZATION کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے تہذیبِ مغرب کے زوال کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی تباہی کا بڑا سبب اندازِ جمہوریت ہے۔ اس نے لکھا کہ

> "اس نظریہ کو اگر بغور دیکھا جائے تو عوام کے "اقتدارِ اعلیٰ" کا فریب نکھر کر سامنے آجاتا ہے اگر سیاست کو نظری حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حاکم اور محکوم کو ایک ہی تصور کرنا عملی ناممکنات سے ہے۔ عملاً حکومت افراد کے ایک طبقے پر مشتمل ہوتی ہے اور رعایا، افراد کے دوسرے طبقے کا نام ہوتا ہے۔ جب معاشرہ اپنی قبائلی زندگی سے آگے بڑھ جائے تو پھر حاکم اور محکوم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ لینا کہ دونوں ایک ہی ہیں، مملکت کو لامتناہی اختیارات کا حامل بنا دیتا ہے۔"
>
> (ص ۶۸)

اس نظریے کے متعلق کہ اکثریت جو کہہ دے وہ صحیح ہوتا ہے، پروفیسر مذکور لکھتا ہے۔

"یہ دلیل کہ حکومت باہمی رضامندی پر مبنی ہونی چاہیئے، نہ تو منطقی طور پر صحیح ہے اور نہ صداقت پر مبنی۔ اگر کسی چیز کو لاکھ آدمی صحیح کہہ دیں تو وہ محض اس لئے کہ اتنے لوگوں نے اسے صحیح کہہ دیا ہے صحیح نہیں ہو سکتی۔ فیصلہ وہی صحیح ہو سکتا ہے جو درحقیقت صحیح ہو نہ کہ وہ جسے زیادہ لوگ صحیح کہنا شروع کر دیں۔"

(نوٹ:۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ حضور نبیٔ اکرمؐ نے جب قرآن کے نظریات پیش کرنے شروع کئے تو یہ نظریات اس وقت بھی درست تھے جب حضورؐ کو سیکنڈ کرنے والا بھی کوئی مشکل سے نظر آتا تھا)۔

کیمبرج یونیورسٹی کا پروفیسر اے۔ سی۔ ایونگ اپنی کتاب (THE STATE AND WORLD GOVERNMENT) میں لکھتا ہے کہ

"روسو نے یہ سمجھا تھا کہ جمہوری نظام میں استبداد اور غصبِ حقوق کا خطرہ نہیں ہو گا کیونکہ لوگ اپنے اوپر استبداد یا خود اپنے حقوق کا غصب کبھی روا نہ رکھیں گے لیکن اگر روسو عصر حاضر میں جمہوری نظام کے عملی تجربہ سے پہلے اپنی کتاب نہ لکھتا تو وہ نظامِ جمہوریت کے متعلق کبھی اس خوش فہمی سے کام نہ لیتا۔" (ص ۱۱۶)

مشہور فرانسیسی مفکر RENE GUENN لکھتا ہے۔

"اگر لفظ جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ لوگ خود اپنی حکومت آپ قائم کریں تو یہ ایک ایسی چیز کا بیان ہے جس کا وجود ناممکنات سے ہے اور جو نہ کبھی پہلے وجود میں آئی ہے اور نہ آج کہیں موجود ہے۔ یہ کہنا جمع بین النقیضین ہے کہ ایک ہی قوم بیک وقت حاکم بھی ہو اور محکوم بھی۔ حاکم اور محکوم کا تعلق دو الگ الگ عناصر کے وجود کا مقتضی ہے۔ اگر حاکم نہیں تو محکوم بھی نہیں۔ ہماری موجودہ دنیا میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح قوت اور اقتدار حاصل کر لیتے ہیں ان کی سب سے بڑی قابلیت اس میں ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ پیوست کر دیں کہ ان پر کوئی حاکم نہیں بلکہ وہ خود اپنے آپ پر حاکم ہیں۔ عام رائے دہندگی کا اصول اس فریب دہی کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ اس اصول کی رُو سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ قانون اکثریت کی مرضی سے وضع ہوتا ہے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اکثریت کی یہ مرضی ایک شے ہے جسے نہایت آسانی سے ایک خاص رُخ پر لگایا جا سکتا ہے اور بدلا بھی جا سکتا ہے۔"

IRVING BABBIT لکھتا ہے۔ "جمہوریت نظری طور پر تو اپنے آپ کو مثالی نظام محسوس کرتی ہے لیکن عملی طور

پر یہ ایک ناممکن نظریہ ہے۔"

یہ ہے وہ جمہوریت جس کا نظامِ اسلام پر پیوند لگانے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سرگرم ہیں۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"عہدِ حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا خاکہ کیا ہوگا؟...... یہ وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق بلند ترین جمہوری روایات کی حامل ریاست ہوگی جو وطنی قومیت کی اساس پر قائم ہونے والی سیکولر جمہوری ریاست سے صرف دو بنیادی امور میں مختلف ہوگی۔ (۱) پہلی اور اہم ترین اساسی وجہِ امتیاز یہ کہ اس میں حاکمیتِ مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا جائے گا جس کا عملی مظہر قرآن و سنّت، نظام اور قانون دونوں پر بلا استثناء اور غیر مشروط بالادستی ہوگی اور ریاست کے دستورِ اساسی میں غیر مبہم انداز میں ریاست کے اصل اصول کی حیثیت سے ثبت ہوگی۔ گویا اس ریاست کا بنیادی اصول انسانی حاکمیت نہیں بلکہ خلافتِ انسانی کا تصور ہوگا۔"

"دوسری اساسی وجہِ امتیاز جو متذکرہ بالا اصل الاصول ہی کا منطقی نتیجہ ہے یہ ہے کہ اس کی مکمل شہریت وطنی قومیت پر مبنی ریاست کے برعکس اس کی جغرافیائی حدود کے اندر رہائش پذیر ہر شخص کو نہیں بلکہ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کا اعلان کریں۔"

پہلی تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ اسلامی ریاست سیکولر ریاست سے صرف دو بنیادی امور میں مختلف ہوگی۔ یعنی قرآنِ کریم میں جن مستقل اقدار کا ذکر ہے' ان سب کو پسِ ڈال کر آپ نے صرف ان دو امور کا انتخاب کیا ہے۔ جہاں تک غیر مسلموں کی شق کا تعلق ہے یہ از روئے قرآن سو فی صد درست ہے جہاں تک پہلی اساسی وجہِ امتیاز کا تعلق ہے۔ یعنی "اللہ تعالیٰ کی حاکمیت"۔ بے شک یہ سب سے اہم شق ہے لیکن آگے چل کر ڈاکٹر صاحب اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اس ریاست کا بنیادی اصول انسانی حاکمیت نہیں بلکہ خلافتِ انسانی کا تصور ہے۔" غور فرمایئے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کے لفظ کو کس خوش اسلوبی سے گول کرتے جا رہے ہیں۔

## اقتدارِ اعلیٰ

اقتدارِ اعلیٰ کا مسئلہ بنیادی مسئلہ ہے۔ جب تک یہ مسئلہ صحیح سمت اختیار نہیں کرتا مملکتِ پاکستان میں نفاذِ اسلام ناممکن ہے۔ اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ان احکامات، قوانین اور مستقل اقدار کو' جو قرآنِ کریم کے اندر موجود ہیں اور جن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے (۱۵/۹)۔

اسلامی مملکت کے حکمران صرف ان احکامات وقوانین کو نافذ کرنے کی مشینری ہوتے ہیں جو حضور نبی اکرمؐ کی وساطت سے وحی کے ذریعے امتِ مسلمہ تک پہنچے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ........ (۱۲/۴۰)۔ یاد رکھو! اختیارات اور اقتدارات کا مالک صرف اللہ ہے۔

وَلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا (۱۸/۲۶)۔ اس کے قانون کے ساتھ کسی اور کے قانون کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ صرف اس کی کمانڈ کے تابع ہوتا ہے۔

وَلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا٪ (۱۸/۱۱۰)۔ اپنے رب کی محکومیت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ انسانوں کو براہِ راست حکم نہیں دیتا بلکہ یہ وحی کے ذریعے انبیاء کرامؑ کی وساطت سے ملتے ہیں۔

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ..... (۶/۱۱۵)

"ان سے پوچھو، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون کے مطابق تمہارے معاملات کے فیصلے کرنے لگ جاؤں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک واضح اور نکھرا ہوا ضابطۂ قوانین بھیجا ہے۔"

چنانچہ ایک اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ کِتٰبَ مُفَصَّلًا (قرآنِ کریم) کو حاصل ہے اور اسلامی مملکت کی مشینری صرف قرآن کے احکام نافذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسے خود اپنے احکام نافذ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ پھر کہا۔

...... فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ...... (۵/۴۸)

"اب تم لوگوں کے معاملات کے فیصلے اس کتاب کے مطابق کرو اور اس قسم کے حقائق مل جانے کے بعد لوگوں کے خیالات وخواہشات کے پیچھے پیچھے مت چلو!"

چنانچہ اسلامی مملکت کی مرکزی اتھارٹی، احکامِ خداوندی جو قرآن کے اندر موجود ہیں، کے نفاذ کی ذمہ دار ہے۔ اس مرکزی اتھارٹی کی اطاعت امت کے افراد کے لئے لازمی ہے جس کے نتیجے میں افراد کے وحدتِ عمل COORDINATED FUNCTIONING کا وجود میں آنا لازمی ہے۔ اگر کہیں اُمت کے افراد میں وحدتِ عمل نہیں پائی جاتی تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ یا تو افراد مرکزی اتھارٹی کا اتباع نہیں کرتے یا مرکزی اتھارٹی اللہ کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود ساختہ قوانین جاری کر رہی ہے۔ چنانچہ اللہ پر ایمان، قوانینِ خداوندی (جو کہ اللہ کی کتاب

کے اندر موجود ہیں) کا نفاذ اور احکام کو نافذ کرنے والی مرکزی اتھارٹی کی اطاعت اس سلسلے کی کڑیاں ہیں جن سے امت میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم مرکزی اتھارٹی کی اطاعت پر زور دیتا ہے لیکن مرکزی اتھارٹی اگر اللہ کے قانون کی بجائے انسانوں کے خود تراشیدہ تصورات نافذ کرنے بیٹھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ انتشار ہوگا اور مملکت میں نظامِ اسلام کا نفاذ ناممکن العمل شے بن جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"بہرحال اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت کے ان دو اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے ساتھ انسانی حقوق کے بلند ترین تصورات و معیارات اور ریاست و حکومت کے جدید ترین اداروں کو منتھی کیا جا سکتا ہے۔"

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب انسانی حقوق کے بلند ترین تصورات کے لئے قرآنِ کریم کو چھوڑ کر کہیں باہر سے تلاش کرنے کی فکر میں ہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق (BASIC HUMAN RIGHTS) قرآنِ کریم کے اندر مستقل اقدار میں موجود ہیں جو کہ ایک الگ موضوع ہے اور اس کی تفصیل لمبی ہے۔ بہرحال میں ان کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔ یہ انسانی حقوق بنیادی اور غیر متبدل ہیں۔ اسلامی مملکت میں بسنے والا کوئی انسان ان سے مستثنیٰ نہیں اور ہر شخص بطور حق انہیں مانگ سکتا ہے۔

(۱) انسانی ذات، انسانی زندگی کا مقصد اس کی ذات کی نشوونما ہے (۱۰-۹/۹۱)۔ اسلامک سٹیٹ کا وجود افراد کی ذات کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔ قرآنِ کریم اسے رُوحِ خداوندی سے تعبیر کرتا ہے (۳۲/۹)۔ یہی چیز انسان کا دیگر حیوانات سے نکتۂ امتیاز ہے۔

(۲) رزق۔ افراد کو رزق مہیا کرنا اسلامی مملکت کا فریضہ ہے (۲۲/۴۱، ۱۱/۶)

(۳) تمام انسان پیدائش کے اعتبار سے برابر ہیں (۱۷/۷۰)

(۴) سوسائٹی کے اندر کسی شخص کی پوزیشن کا معیار یہ ہے کہ اس کے اعمال قوانینِ خداوندی سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔

(۵) عدل، عدل کے معنی ہیں زندگی کے ہر شعبے میں عدل۔ عدل اسلامی نظام کی اصل و بنیاد ہے۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ ہر متنازعہ فیہ معاملہ کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے اور اس میں کسی کی رورعایت نہ کی جائے۔ اس نظام میں ہر صاحبِ اختیار سے کہا جاتا ہے — اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى ....(۳۸/۲۶) تمہیں زمملکت میں صاحبِ اختیار اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں کے فیصلے حق کے ساتھ کرو اور اس میں اپنے جذبات کو کبھی دخیل نہ

ہونے دو۔" یہاں "لوگوں کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ حق کے ساتھ کرو۔" غور طلب بات یہ کہ عدل کا عام تصور یہی ہے کہ معاملات کا فیصلہ ملک کے رائج الوقت قانون کے مطابق ہو تو کہا جائے گا کہ عدل کا تقاضا پورا ہو گیا لیکن سوال یہ ہے کہ اگر خود وہ قانون، جس کے مطابق فیصلہ ہوا ہے، عدل پر مبنی نہیں، تو اس کے مطابق فیصلہ کو مبنی بر عدل کیسے کہا جائے گا؟ اگر قانون کے استعمال میں جذبات اثر انداز ہو سکتے ہیں تو قانون سازی میں جذبات کیوں اثر انداز نہیں ہو سکتے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآنی نظام میں قانون سازی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں تمام قوانین، اصولی طور پر خدا کے متعین فرمودہ (قرآن کی دفتین کے اندر محفوظ) ہوتے ہیں اور مملکت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ ان قوانین کو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق نافذ العمل بنائے۔ اسی سے وہ مملکت اسلامی بنتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝
(۵/۴۴)

"جو خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب کے مطابق حکومت نہیں کرتے، انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔"

لہٰذا قرآنی مملکت میں ہر فیصلہ قرآنی قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی کو عدل کہا جاتا ہے۔ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۷/۱۵۹) ان قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، نہ فیصلہ کرنے والے پر ذاتی رجحانات و میلانات اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے خارجی مؤثرات۔

قرآنی عدل سے ہر شخص کو وہ کچھ مل جاتا ہے جو اس کا حق ہے اور ہر ایک کے جسم اور ذات کی پرورش کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ اس میں ہر شخص کا درجہ اس کی CAPABILITY کے مطابق متعین ہوتا ہے (۱۶/۵۰)، دولت اور دشمن کی تمیز کے بغیر (۵/۸)۔

۶۔ جرم کی سزا جرم کے مطابق۔ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ...... (۱۰/۲۷) جنہوں نے بُرے کام کئے تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا۔
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ ...... عَلَى اللّٰهِ ؕ...... (۴۲/۴۰) بُرائی کا بدلہ تو اسی طرح برائی ہے مگر جو درگزر کرے تو اس کا معاملہ خدا کے ذمے ہے۔

۷۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی ذمہ داری خود اٹھائے۔ یہ نہیں کہ ذمہ داری کسی کو ہو اور اسے پورا کرتا پھر کوئی اور (۶/۱۶۵)۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس اصول کا اطلاق زندگی کے ہر شعبے پر ہو سکتا ہے۔

۸۔ ظلم، عدل کی نقیض ہے۔ قرآن صرف اتنا ہی نہیں کہتا کہ تم کسی پر ظلم نہ کرو بلکہ یہ بھی کسی کو تم پر ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو (۲/۲۷۹)۔ خود ظلم نہ کرنا اور ظلم کی روک تھام کرنا ایک مستقل قدر ہے۔

۹۔ احسان۔

آپ کسی مزدور کو کام پر متعین کرتے ہیں اور اس کی پوری اُجرت دے دیتے ہیں۔ یہ عدل ہے۔ لیکن اگر آپ دیکھتے ہیں کہ مزدور پوری محنت کرنے کے باوجود اتنا نہیں کما سکتا جس سے اس کے بچوں کا گذارہ ہو سکے تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ اس کمی کو پورا کریں، اسے احسان کہا جاتا ہے۔ احسان کے معنی حُسن یا توازن پیدا کرنا۔ لہٰذا جب معاشرے کا توازن بگڑ جائے تو اس توازن کو درست کرنا اسلامی معاشرے کا فرض ہے۔

۱۰۔ کوئی کسی کا غلام اور محکوم نہیں ہو سکتا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ ...... مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ..... (۳/۷۸) کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ دوسرے لوگوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میری غلام اور محکوم بن جاؤ۔" معاشرہ میں نہ کسی عدلیہ کو اس کا حق حاصل نہیں اور نہ ہی اجرائیہ کو کسی فردِ معاشرہ کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے اور نہ ہی مذہب کی دنیا میں کسی کو ایسا حق حاصل ہے، یہاں تک کہ کسی نبی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنائے۔ ہر فرد کی آزادی اور اس آزادی کا احترام ایک مستقل قدر ہے جسے کسی حالت میں بھی پامال نہیں کیا جا سکتا۔

۱۱۔ قانون کی اطاعت۔

لیکن ظاہر ہے کہ کوئی معاشرہ اور کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا اور نہ باقی رہ سکتا ہے جب تک افراد پر پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ پابندیاں قانون کی رُو سے عائد ہوں گی (آیت ۳/۷۸ کا آخری حصہ)۔

۱۲۔ لاقانونیت۔

لاقانونیت پھیلانا یا قانونِ خداوندی سے سرکشی برتنا از روئے قرآن بہت بڑا جرم ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔ "تم ایسے شخص کو دیکھو گے کہ جب وہ صاحبِ اقتدار ہو گا تو ملک میں لاقانونیت پھیلا دے گا (۲/۲۰۵)۔ وہ پہلے خود آئین و قانون کو پس پشت ڈال کر آمرِ مطلق بن کر لوگوں کو اپنی مرضی کے ڈنڈے سے ہانکے گا اور اس کی دیکھا دیکھی تمام باقی لوگ بھی قانون سے سرکشی برتنا شروع کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگوں کے دلوں سے قانون کا احترام اٹھ جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں (۵/۳۳)۔

۱۳۔ جان کی حفاظت۔

ضروریاتِ زندگی پوری کرنے سے پہلے جان کی حفاظت کی ضمانت سامنے آتی ہے۔ "خدا نے انسانی جان کو

واجب الاحترام قرار دیا ہے. اس لئے کسی کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی کو جان سے مار دے. ہاں اگر حق کا تقاضا ہو، تو ایسا کیا جا سکتا ہے" (۶/۱۵۲). حق کے تقاضا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے جرم کی پاداش میں اُسے سزائے موت دی جا سکتی ہے. یا اگر کوئی شخص معاشرے کے نظامِ عدل کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرے اسے بھی موت کی سزا دی جا سکتی ہے.

۱۴۔ مشاورت۔
دنیا میں صحیح نظامِ حکومت کا فریضہ ہے کہ مستقل اقدار کو معاشرہ میں نافذ کرے لیکن مستقل اقدار بالعموم بنیادی اصولوں کی شکل میں ہوتی ہیں. ان اصولوں کی عملی جزئیات ہر زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے نظامِ معاشرہ کو خود متعین کرنی ہوتی ہیں. قرآن کہتا ہے کہ یہ کام کسی ایک فرد کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ نمائندگانِ ملت کے باہمی مشوروں سے قرار پائے (۴۲/۳۸). حتیٰ کہ خود رسولؐ کو بھی اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا (۳/۱۵۸) لیکن یہ مشاورت مغرب کا جمہوری نظام نہیں جس میں ۵۱ ووٹ والوں کا ہر فیصلہ ۴۹ ووٹ والوں کے لئے واجب التسلیم ہو جاتا ہے. یہ مشاورت مستقل اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے جزئی معاملات طے کرنے کے لئے ہوگی۔

۱۵۔ امورِ مملکت نا اہلوں کے سپرد نہ کئے جائیں۔
صحیح معاشرہ میں اربابِ حل و عقد درحقیقت متاعِ ملت کے امین ہوتے ہیں. اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ امانت صرف انہی کے سپرد کی جائے جو اس کی حفاظت کے اہل ہوں. اسے نا اہلوں کی تحویل میں نہ دیا جائے۔
"اللہ تمہیں اس امر کا تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم امانات کو ان سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو" (۴/۵۸)

۱۶۔ عصمت کی حفاظت، انسان کا بنیادی حق ہے (۲۴/۲، ۳۲/ ۱۶). لیکن مغربی جمہوریت میں اس کی جس فراوانی سے دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، یہ سب پر عیاں ہے.

۱۷۔ انسانیت کے لئے نفع بخش کام۔
فلاح و بہبود کے کاموں کو پارٹیوں، گروہوں، ملکوں اور قوموں کے دائروں میں محدود کر دینا مستقل اقدار کے بنیادی تصور کے خلاف ہے.

۱۸۔ مذہبی آزادی۔
اسلامی نظام کے اندر رہنے والوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی لیکن انہیں شریکِ حکومت نہیں بنایا جائے گا. کیونکہ اسلامی نظام میں قوم کی تشکیل آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوتی ہے. یعنی جو لوگ اسلامی آئیڈیالوجی کو تسلیم کریں وہ ایک قوم کے افراد اور جو لوگ اس آئیڈیالوجی پر یقین نہ رکھیں وہ اس قوم کے دائرے سے باہر. خواہ وہ

(بقیہ صفحہ ۵۰ پر)

محمد لطیف چوہدری

# عِدّت

## ۳۹ دن — یا — ۹۰ دن

جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ، جسٹس پیر کرم شاہ اور جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب پر مشتمل سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ نے ایک فوجداری اپیل مسترد کرتے ہوئے منجملہ دوسرے معاملات کے فیصلہ دیا ہے کہ عدت کی مدت ۹۰ دن کی بجائے ۳۹ دن ہے۔

یہ عدالتِ عالیہ کے فاضل جج صاحبان کا اپنا اجتہاد ہے جس پر تبصرہ مقصود نہیں لیکن فاضل جج صاحبان نے قرآن کریم کی سورۃ ۲/۲۲۸ کی تشریح کے لئے حنفی فقہاء کے جس استدلال پر انحصار کیا ہے وہ میرے نزدیک تصریفِ آیات اور جدید سائنسی انکشافات کی روشنی میں تحقیق مزید کا متقاضی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ عدالتِ عالیہ کا فیصلہ، عدت سے متعلق قرآنی آیات اور حیض (MENSTRUATION) سے متعلق طبی کتب سے اقتباسات ایک نظر دیکھ لئے جائیں۔

1992 SCMR 1273

[Shariat Appellate Bench Supreme Court of Pakistan]

Criminal Petition for Leave to Appeal No. 24(S) of 1991, decided on 4th March, 1992.

(m) Muhammadan Law....

Remarriage of a woman... Period of Iddat is 39 days.

The period of 'Iddat' laid down by the Holy Qura'n is not 90 days. It is rather three periods of menstruations which do not necessarily extend to 90 days. According to Hanifi Jurists the minimum period of menstruation is 3 days and the minimum period of 'Tuhr' (period of purity) is 15 days.

In the light of these principles, the minimum period of 'Iddat' may be 39 days, because this is the period in which it is possible for a woman to have three menstruations with two intervening periods of purity. It is thus clear that a marriage performed after 39 days from the divorce can be a valid marriage according to Shariah if the woman has passed through three periods of menstruation during this period [p.1282] K.

Surah Al-Baqara: 2:228, Al-Fatawa Al-Alamgiria Vol-I, pp 36 and 37, Book I, Chapter 6 and Al-Qura'n 65:4 refer.)

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

اُردو ترجمہ

## مطلقہ عورت کا عقدِ ثانی ـــ مدّت ۳۹ دن ہے

قرآنِ کریم کی رُو سے عدت ۳ حیض کی ہے نہ کہ ۹۰ دن کی۔ ضروری نہیں کہ ۳ حیض ۹۰ دن میں مکمل ہوں۔
حنفی فقہا کے نزدیک حیض کا کم از کم دورانیہ ۳ دن کا اور طُہر کا ۱۵ دن کا ہے۔
ان اصولوں کی روشنی میں ایک مطلقہ عورت کے تین حیض اور دو طُہر ۳۹ دن میں مکمل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس عورت کو تین حیض آ چکے ہیں تو طلاق کے ۳۹ دن بعد کیا گیا نکاح شریعت کی رُو سے جائز ہو سکتا ہے۔

AL-QURA'N 2:228, 65:1 & 65: 4

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (۲/۲۲۸)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ (۶۵/۱)

اے نبی (مکرم)! (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ

اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت
تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی تک حیض آیا ہی نہیں۔

(Urdu Translation by Pir Muhammad Karam Shah and English Translation by Muhammad Asad)

2:228 - And the divorced women shall undergo, without remarrying, a waiting-period of three monthly courses.

65:1 - O Prophet ! When you [intend to] divorce women, divorce them with a view to the waiting-period appointed for them, and reckon the period [carefully], and be conscious of God, your Sustainer.

65:4 - And now as for such of your women as are beyond the age of monthly courses, as well as for such as do not have any courses, their waiting-period - If you have any doubt [about it]- shall be three [calendar] months.

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

# ACCORDING TO OBSTETRICIANS AND GYNAECOLOGISTS:

Menstruation normally occurs at intervals of 22 to 35 (mean 28) days and the duration of the bleeding phase varies from 1 to 8 (mean 5).days. This may be conveniently expressed as 28/5; indicating that the menstrual cycle (i.e. from the onset of menstruation to its next appéarance ) lasts 28 days, and the bleeding phase 5 days. It is also convenient particularly since Steroid therapy is available to designate the days of menstrual cycle. Day 1 is taken to indicate the day menstruation starts.

(Fundamentals of Obstetrics and Gynaecology Vol II by Derek Llewellyn Jones)

(Jeffcoate's Principles of Gynaecology , Fifth Edition)

(Gynaecology - Principles and Practices 1990 by Zev Rosenwaks)

اُردو ترجمہ

ماہرینِ امراضِ نسواں کے مطابق ماہواری کا دَور (MENSTRUAL CYCLE) ۲۲ سے ۳۵ (اوسط ۲۸) دن پر محیط ہوتا ہے جس میں سیلانِ خون کا دورانیہ ایک سے آٹھ (اوسط ۵) دن کا ہو سکتا ہے۔ اسے آسانی کے لئے ۲۸/۵ لکھا جاتا ہے۔ گویا حیض شروع ہونے سے اگلا حیض شروع ہونے تک ۲۸ دن اور اس دوران سیلانِ خون کا دورانیہ ۵ دن۔ سٹیرائیڈ کی موجودگی میں حیض کے دَور (MENSTRUAL CYCLE) میں دنوں کا تعین کرنا ممکن ہے۔

---

اس میں شبہ نہیں کہ حنفی فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردانِ رشید اسلامی قانون کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اسلامی قوانین کی تدوین کے سلسلے میں انہوں نے جو خطوط متعین کئے انہیں بہت جلد قبولِ عام حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ میں آپ کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی فقہ کو شک و شُبہ سے بالا اور غلطی و خطا سے مبرا نہیں سمجھا۔ مثلاً تاریخ خطیب بغدادی کے مطابق مزاحم بن زفر کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ جو کچھ آپ فتوے دیتے ہیں یا اپنی کتابوں میں درج فرماتے ہیں، کیا یہ سب حق ہے، جس میں شک و شُبہ کی گنجائش نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ بخدا! مجھے معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہ ہو ۔۔۔ اسی طرح حسن بن زیاد لولوی کہتے ہیں۔

ہمارا یہ قولِ فقہ ایک رائے ہے جو بہتر سے بہتر ہم قائم کر سکے ہیں۔ جو ہمارے قول سے بہتر رائے لا سکے، تو وہی صحت سے زیادہ قریب ہو گی ۔۔۔ میری معلومات کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں میں شاید کوئی بھی ماہرِ امراضِ نسواں (GYNAECOLOGIST) نہ تھا۔ اس لئے ان کا یہ فرمانا کہ (تین دن سیلانِ خون کے اور ۱۵ دن طہر) کے حساب سے تین حیض کی شرط ۳۹ دن میں پوری ہو جاتی ہے، نہ تو سورۂ طلاق کی آیت ۴ میں دی گئی متبادل مدت سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ ہی ماہرینِ امراضِ نسواں کی متعین کردہ ماہواری دور (MENS-TRUAL CYCLE) کے قریب ہے۔ قرآن نے لفظ "قُرُوْٓءٍ" استعمال کیا ہے جس سے مراد حیض بھی ہے اور بقول صاحبِ لطائف اللغۃ، یہ لفظ اس وقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جب عورت حیض سے پاک ہو جائے۔ اس سارے عمل کو طبی اصطلاح میں ماہواری دَور (MENSTRUAL CYCLE) کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ لفظ قُرُوْٓءٍ استعمال کر کے قرآن نے تین حیض کا نہیں بلکہ ماہواری کے تین ادوار (MENSTRUAL CYCLES) کا ذکر کیا ہے۔ جن کا پورا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ طلاق کی آیت ۴ میں ۳ حیض کی متبادل مدت ۳ ماہ بتائی گئی ہے جب کہ ماہرینِ امراضِ نسواں کے مطابق ماہواری کا فطری دور (CYCLE) ۲۸ دن کا ہوتا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ۷ دن کی کمی بیشی ہوسکتی ہے. اطباء (GYNAECOLOGISTS) اس کے لئے ۲۲ دن سے ۳۵ دن کی رینج متعین کرتے ہیں جس میں سیلانِ خون ۱ تا ۸ دن تک جاری رہ سکتا ہے. قرآنِ کریم نے شُبہ کی صورت میں تین حیض کی متبادل مدت ۳ ماہ بتائی ہے جو ماہرینِ طب کی مقرّر کردہ مدّت کی اوسط کے قریب ہے. سورۂ طلاق کی مذکورہ آیت میں تین حیض = (برابر ہیں) ۳ ماہ کے فارمولے سے یہ واضح اشارہ بھی ملتا ہے کہ تین حیض سے مراد ماہواری کے تین ادوار (MENSTRUAL CYCLES) ہیں اور دور یعنی CYCLE کی تو خصوصیت ہی یہ ہے کہ جس جگہ سے شروع ہوگا اسی جگہ ختم ہوگا ـ گویا عدت کسی دَور کے جس دن شروع ہوگی اس سے تیسرے دَور کے اسی دن ختم ہوگی. اس میں تین حیض از خود شامل ہوجائیں گے. درج ذیل ڈایاگرام اس کی وضاحت کے لئے مفید ہوسکتا ہے.

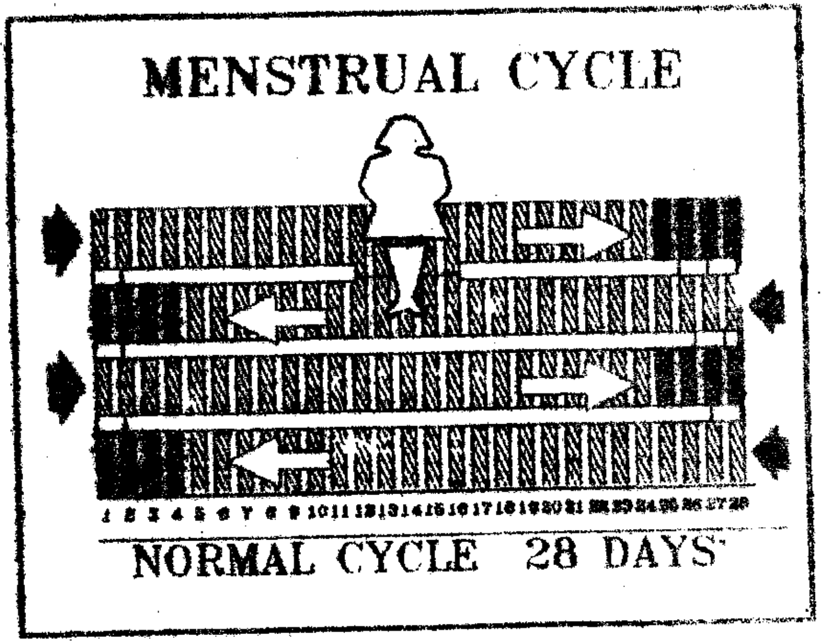


NORMAL CYCLE 28 DAYS

ان اشارات کی موجودگی میں عدت کم از کم (۳ × ۲۲) ۶۶ دن ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ (۳ × ۳۵) ۱۰۵ دن تک جا سکتی ہے۔ ان دونوں کی اوسط تقریباً ۹۰ دن بنتی ہے جو قرآن میں دی گئی تین حیض کی متبادل مدت کے عین مطابق ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۃ ۶۵/۴ میں دی گئی ۳ ماہ کی متبادل مدت کی موجودگی میں (جو حیض کے تین مکمل ادوار (MENSTRUAL CYCLES) پر ہی چسپاں ہو سکتی ہے)۔ حنفی فقہاء کا [ (حیض + طہر) + (حیض + طہر) + حیض ) ] کے فارمولے کا جواز عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہے۔ ہو سکتا ہے فتویٰ صادر کرتے وقت فاضل فقہاء کے سامنے مستند طبی معلومات نہ ہوں یا کسی ایسی عورت کا کیس زیرِ سماعت ہو جسے بوجہ علالت (POLYMENORRHOEA) ۱۵ دن بعد ماہواری آتی ہو یا ہو سکتا ہے واقعتاً ایسی کوئی دلیل ہو جو راقم کے حیطۂ فہم و ادراک سے بعید ہو۔

ماہرینِ امراضِ نسواں اور اہلِ علم حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی ماہرانہ آراء کا اظہار فرمائیں تاکہ اس فیصلے سے پیدا ہونے والا ابہام دُور ہو سکے۔ یاد رہے کہ مملکتِ اسلامیہ پاکستان کی قومی اسمبلی باہمی مشاورت سے فیصلہ کر چکی ہے کہ عدت کی مدت (بلا امتیاز (MENSTRUAL CYCLE) جو مختلف عورتوں میں مختلف المیعاد ہو سکتا ہے) اصولی طور پر ۹۰ دن ہو گی۔ (مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء)

○

صلاح الدین اکبر

# ۱۴ اگست بھی گذر گیا مگر؟

۱۴ اگست گزر گیا، یکم اگست ہی سے ذرائع ابلاغ قوم کی تیاریوں، جوش و خروش کا تذکرہ کرنے لگے، ٹی وی پر سڑکوں، بازاروں میں جھنڈیوں، جھنڈوں کی نمائش، سیل اور دکانداروں، ریڑھی والوں، راہ چلنے والوں کے انٹرویو دکھائے جانے لگے، مگر یہ روٹین کے فقرے ہوتے ہیں جو تقریباً ہر روز دکھائے جاتے ہیں اور شاید ہر سال دکھلائے جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک یادگار دن ہے، اس دن برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی ایک صدی کی جدّ و جہد کامیاب و کامران منزل سے ہمکنار ہوئی، گو ہمیں پورا وہ پاکستان تو نہ ملا جو ہم چاہتے تھے، جو ہمارا اصل مطالبہ تھا ـــ کیا اب یہ بھی یاد دلانا پڑے گا کہ اصل مطالبہ کیا تھا، یاد دلا دوں، سندھ، بلوچستان، شمال مغربی سرحدی صوبہ، پورا پنجاب، پورا بنگال، پورا آسام ـــ یہی نہیں بلکہ ان دونوں کو ملاتا ہوا ایک زمینی راستہ اور رابطہ ـــ موجودہ پاکستان تو ہمیں بامرِ مجبوری قبول کرنا پڑا تھا ـــ ایک بات اور ـــ ایک موقعے پر قائدِ اعظمؒ نے کسی ممکنہ صورتِ حال کے مطابق سارے ہند کی مسلمان آبادی کے پُرامن تبادلۂ آبادی کا بھی ذکر کیا تھا۔

یہ دن جہاں خوش ہونے، خوشیاں منانے کا دن ہے وہیں محاسبۂ خویش کا دن بھی ہے ـــ کیا ان پینتالیس سالوں میں ہمارا سفر مقررہ منزل کی طرف رواں رہا ہے کیونکہ سفر پر رواں ہونے سے پہلے سمت کا تعین کرلیں، تو منزلِ مقصود تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، وقتی طور پر قافلہ اِدھر اُدھر ہو بھی جائے تو اس غلطی کا مداوا ہو سکتا ہے، قافلے کی کی سمت دوبارہ راہِ راست پہ لائی جا سکتی ہے اور سوئے منزل سفر دوبارہ جاری رکھا جا سکتا ہے ـــ اگر ایسا ہوتا تو ہمارا یہ حال نہ ہوتا کہ قیامِ پاکستان کے ۲۵ سال بعد ہی ہمارا مشرقی بازو جو آبادی کے لحاظ سے اکثریتی حصہ تھا ہم سے کٹ کر الگ ہو گیا، کہا گیا کہ زبان، ثقافت، فاصلہ ہمارے درمیان حائل تھا، کیا واقعی بات اتنی ہی تھی، ہمیں بتایا بھی گیا مگر جن اقدامات کی وجہ سے دلوں کے درمیان فاصلے بڑھے، بیگانگی، اجنبیت اور استحصال کی جس

زبان نے اس میں جو کردار ادا کیا اس پہ کسی نے توجہ نہ دی، رشتوں میں جو چیزیں حائل ہو رہی تھیں انہیں دُور کرنے کا کسی نے جتن نہ کیا، وہ لوگ بے انصافیوں کا، حقوق کے فقدان کا، غربت کا، امتیازی سلوک کا ذکر کرتے رہے اور ہم نے زیادہ سے زیادہ جو کیا وہ تھے جذباتی مذہبی نعرے . ہم یہی کہتے رہے ہم مسلمان ہونے کے ناطے بھائی بھائی ہیں، ہم ایک امت ہیں لیکن بھوکے کا پیٹ بھرنے کی طرف، مسکین اور بے سہارا کا ہاتھ پکڑنے کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا، جس کی عزتِ نفس مجروح ہو رہی تھی اس کی عزت و تکریم بحال کرنے کا ہم نے کوئی جتن نہ کیا، مساوات پر مبنی معاشرے کی طرف کوئی قدم نہ بڑھایا، اسی کو تو ظلم کہتے ہیں اور یہ حقیقت پر مبنی قول تو آپ نے سن رکھا ہوگا کہ کفر کی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم کی نہیں، ہم نے ظلم کی حکومت قائم رکھنا چاہی اور ہم ناکام رہے، خدا خود کہتا ہے کہ وہ کبھی ظالموں کا ساتھ نہیں دیتا،

عوامی لیگ، چھ نکات، مجیب الرحمٰن سب بیماری کی علامتیں ہیں، سقوط کی وجہ نہیں، بروقت اقدام ہوتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا، علامتیں وارننگ ہوتی ہیں کہ بروقت علاج کر لو ——— مگر ہم نے غفلت کی اور تاریخ کسی کے لئے نہیں رکتی، کم از کم ۱۴ اگست کو تو ساری قوم کو بیٹھ کر سوچنا چاہیئے، ایسا کیوں ہوا، ہم سے کہاں کہاں اور کیا کیا غلطی ہوئی ——— مگر رکیئے، آج قوم کہاں ہے ——— ابن انشا اپنی ایک (غیر سنجیدہ) تصنیف 'اُردو کی آخری کتاب' میں لکھتے ہیں، استاد اپنی کلاس سے پوچھتا ہے فرانس میں کونسی قوم آباد ہے، جواب ہے فرانسیسی، جرمنی میں؟ جرمن، انگلستان میں؟ انگریز، جاپان میں؟ جاپانی، چین میں؟ چینی، پاکستان میں؟ سندھی، پنجابی، بلوچ، پٹھان. پاکستان میں آج سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان ہی نہیں ایک اور گروہ مہاجر قومیت کا دعویدار بھی ہے اور سب اس پہ سیخ پا ہیں، اگر پاکستان میں پاکستانی قوم آباد ہوتی تو یہاں کوئی خود کو مہاجر نہ کہتا، مہاجر تو انہوں نے اسی لئے اپنے آپ کو کہا اور منوایا ——— کہ وہ نہ تو سندھی تھے، نہ پنجابی، نہ بلوچ تھے نہ پٹھان ——— تو پھر وہ آخر کون ہیں، یہاں کیوں ہیں، کس حیثیت میں ہیں، سوال یہ ہے کہ ان شناختوں پہ زور کیوں دینا پڑا؟ انصاف کے حصول کے لئے حقوق کی بازیابی کے لئے، بے انصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ——— اگر یہاں انصاف ہوتا سب کو مبنی بر انصاف حقوق ملتے تو پھر ان شناختوں کی نشانیاں بس لباس، زبان، موسیقی، رقص، مقامی صنعتیں رہ جاتیں اور پھر یہ بھی آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے خلط ملط ہو کر نئی نئی شکلیں اختیار کر لیتیں، اُردو زبان اسی طرح تو بنی تھی ——— اور آج اُردو میں پنجابی، سندھی اور دوسری زبانوں کے الفاظ قبل از قیام پاکستان کی اُردو سے کہیں زیادہ ہیں۔

آج جو بے سکونی ہے وہ بے انصافی کے خلاف ہے، ظلم اور استحصال کے خلاف ہے، حقوق کی بازیابی کے لئے ہے، اپنے آپ کو منوانے کے لئے ہے، اپنی بے لبسی، بے حیثیتی کے خلاف ہے، تکریم انسانیت کی بحالی کے لئے ہے۔

زبانی کلامی اسلام اسلام کی رٹ لگائے رکھنے قرآن وسنت کی بالادستی کے ذکر کے ساتھ ہی بے انصافیوں اور بے اطمینانی کے خلاف کچھ نہ کر کے اسلام کو بدنام نہ کیجئے۔ اسلام مساوات اور تکریمِ انسانیت کا دین ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس خطۂ زمین پر اپنے آپ کو مسلم کہلوانے والا کوئی بھی نظر نہ آئے، یہاں لوگ شیعہ ہیں، سنی ہیں — وہابی ہیں، دیوبندی ہیں، بریلوی ہیں، اہل حدیث ہیں، غیر اہل حدیث ہیں حالانکہ خدا نے اپنی کتاب میں ایمان لانے والوں کو مسلم کہنے اور کہلوانے کا حکم دیا تھا —

اس ملک پاکستان کے حصول کی جدوجہد کے وقت ایسا کوئی امتیاز نہ تھا، سبھی یک زبان تھے، سبھی شانہ بشانہ لڑے اور مرے تھے، اس وقت نہ مرنے والوں نے ایسی کسی شناخت کی طرف توجہ دلائی اور نہ مارنے والوں نے ایسی کسی شناخت کی سند چاہی —

اربابِ اقتدار نے خود یہ بیج اپنے مفاد کی خاطر بوئے اور ان کی آبیاری کی اور آج جب یہ بیج پودے اور پودے سے درخت بن چکے ہیں حکومت انہی فرقوں کے سربراہوں کو بلا بلا کر اپیلیں کرتی ہے' فرقہ بازی بند کر دیں، اس کو وجۂ نزاع نہ بنائیں، تلخی نہ بڑھائیں، بھائی چارے کو فروغ دیں، اتحاد واتفاق کی تلقین کریں۔

یہ کہنے والے بھول رہے ہوتے ہیں کہ انہی اختلافات کو ہوا دینے، فرقوں کی حد بندی کو زیادہ مضبوط کرنے ہی سے تو ان کی قیادت، ان کی سیادت، ان کی چودھراہٹ، ان کا تقدس قائم ہے، ان کی بقا ہی تو ان کی سرداری کی بنا ہے۔

یہ مشورہ ایسا ہی ہے جیسے درخت پر بیٹھ کر لکڑیاں کاٹتے ہوئے کسی شخص کو آپ یہ مشورہ دیں کہ جس شاخ پہ بیٹھے ہو اس کو بھی کلہاڑے کی زد میں لاؤ، یا پھر سیدھا سیدھا یہ مشورہ دو کہ خود اپنے پاؤں پہ کلہاڑا مارو —

فرقوں کے سربراہوں کو آپ بعینہٖ یہی مشورہ دے رہے ہیں، اگر آپ کو ان کی صورتوں پہ خندۂ استہزاء نظر نہیں آرہا، تو یہ ان کی مصلحت بینی ہے، ان کے دل اندر سے ضرور آپ کی حماقت پہ ہنس رہے ہیں فرقوں کے یہ سربراہ آپ کو قریب قریب بیٹھے نظر آرہے ہیں مگر ان کے دل ساتھ ساتھ نہیں دھڑکتے — ورنہ صورت حال مختلف ہوتی، یہ اُمت آج فالف بین قلوبکم کی مثال ہوتی۔

اسلام اور فرقوں کے تعلق کے بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، قرآن پاک کی کچھ آیات، اللہ تعالیٰ کے کچھ فرمان پیش کر رہے ہیں، خود اس پہ غور کر لیں، کوئی ترجمہ دیکھ لیں، کوئی سی تفسیر دیکھ لیں، بات اتنی سیدھی سادی براہِ راست، دوٹوک ہے کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں —

ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم
وکانوا شیعًا کل حزب بما لدیھم فرحون ٥ (۳۰/۳۱-۳۲)۔

اِنَّ الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لَّست منھم فِی شیٔ (۶/۱۶۰)

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد جاءھم البینت (۳/۱۰۴)۔

اربابِ اختیار اتنا ہی کریں کہ یہ آیات ٹی وی پر بار بار نشر کریں، سیدھا آسان مفہوم سمجھائیں ——— اور پھر دیکھیں کہ آیاتِ قرآنی کے نشر کرنے میں اعتراضات کدھر سے آتے ہیں۔

ثریا عندلیب

# "بدقسمتی سے"

ہمارے ہاں بعض وضعی اعتقادات و مفروضات کے ساتھ ساتھ اپنی روزمرہ بول چال اور تحریر و تقریر میں ایسے بیسیوں الفاظ و محاورات و تمثیلات کا بڑا عمل دخل ہے جنہیں ہم نے خود فریبی کے تحت اپنے لئے سپر بنا رکھا ہے اور یہ ذہن نشین کر لیا ہے کہ اس طرح کے الفاظ اور محاورے استعمال کرنے سے ہمیں کوئی جواب دہی کرنا نہیں ہوگی اور ہمارا بچاؤ ہو جائے گا۔ یعنی دھوکہ دینا اور دھوکا کھانا ہمارا قومی شعار بن چکا ہے اور کبھی لمحہ بھر کے لئے رک کر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ جو کچھ ہم اپنی گفتگو میں کہہ رہے یا اپنی تحریر میں لکھ رہے ہیں اس کا سچائی اور حقیقت سے کہیں دُور کا بھی تعلق ہے! ہم اپنی غفلت شعاریوں، غیر ذمہ داریوں، کوتاہیوں بلکہ گمراہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے نیز دوسروں کا مُنہ بند رکھنے کے لئے ایسے الفاظ، جملوں اور محاوروں کا سہارا لیتے ہیں جو عام طور پر عقیدوں کی حیثیت سے ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑا چلتا فقرہ "بدقسمتی سے" ہے۔ کام تو بگڑتے ہیں اپنی نااہلی اور عاقبت نااندیشی سے، منصوبے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتے تو اپنی بدنیتی اور دیانت و صداقت کے فقدان سے۔ مسائل حل نہیں ہوتے تو غیر ذمہ داری اور سوچ و سمجھ سے بے تعلق رہنے پر۔ لیکن تمام خرابیوں کو چھپا کر اور اپنی ذات کو بچایا جاتا ہے۔ یہ ایک فقرہ ادا کر کے کہ بدقسمتی سے یوں نہ ہو سکا، بدقسمتی سے ہم فلاں معاملہ کو درست نہ کر سکے۔ بدقسمتی سے ہمارے منصوبے دھرے رہ گئے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ زوال پذیر ہے۔ بدقسمتی سے ہم اقوامِ عالم میں سر اٹھا کر نہیں چل سکتے۔ بدقسمتی سے ہمارے وطنِ عزیز میں غربت اور جہالت نے ڈیرے لگا رکھے ہیں۔ بدقسمتی سے جوانوں کا اخلاق بگڑ گیا ہے۔ بدقسمتی سے بوڑھوں کا احساس مٹ گیا ہے۔ غرضیکہ ہمارے ہاں جو بھی برائی جنم لیتی ہے، جو بھی خرابی وجود میں آتی ہے۔ جس محرومی سے بھی ہمیں واسطہ پڑتا ہے، جب بھی ہمیں مایوسی کا سامنا ہوتا ہے، سب کا سب 'بدقسمتی سے' ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا کوئی قصور، کوئی غفلت یا لغزش نہیں ہوتی۔ نہ ہی ہم یہ سوچنا گوارا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں امور میں ہم سے کہاں کہاں غلطی ہوئی۔

یہ تو ذمہ داری کی بات ہے، یہ جرأت مندانہ قدم اٹھانے کا عمل ہے۔ لیکن جب احساسِ ذمہ داری ہی ختم کر دیا جائے تو جرأت مندانہ قدم کیسے اُٹھ سکتا ہے اور بگڑے معاملے کون سنوار سکتا ہے۔ رہ جاتی ہے ایک بے چاری "بدقسمتی" جو ہم جیسوں کے ہر آڑے وقت میں کام آجاتی ہے اور ہم بے دھڑک اپنی من مانیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں ـــــ بے راہ روی کے اس رویّہ سے جب کبھی ٹھوکر لگتی ہے تو کوسنے لگتے ہیں بدقسمتی کو، ہائے بدقسمتی تیرا ستیاناس! تو نے ہمارا "کیا کرایا" خاک میں ملا دیا۔ ہاں صاحب! بدقسمتی سے بھلا کون پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ یہ کہا اور بڑی آسانی سے ہمارا کردار پاک صاف ہو گیا۔ ایسے نظریات کے ساتھ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ برائی، برائی نہیں رہتی اور اچھائی برائی کی تمیز ہی اُٹھ جاتی ہے۔ پھر جو جی میں آئے کرتے جاؤ کوئی اس پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ سارا قصور، سارا الزام بدقسمتی کے حصے میں آتا ہے اور معاشرہ میں منکرات کے پھاٹک کھل جاتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ اسی بدنہادی کی ایک مکمل تصویر ہے۔ مگر یاد رکھئے! اس کا سبب بدقسمتی نہیں جسے ہم نے وردِ زبان بنا رکھا ہے۔ یہ سب ناہمواریاں، بگاڑ و خلفشار، فسادات و خون ریزیاں ہماری اپنی شامتِ اعمال سے ہیں۔ اس بدقسمتی سے نہیں جس کا ہم نے خود سہارا لے رکھا ہے۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ تباہی کے جس خوفناک دہانے پر ہم آکھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ہمیں صریحًا ہماری بدعملی اور بددیانتی نے پہنچایا ہے۔ مسلمان ہونے کا دعوےٰ رکھتے ہوئے ہم نے قانونِ مکافاتِ عمل سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ وہ ازلی و ابدی قانون جس کی بنیادوں پر ہی ہمارے دینِ اسلام کا سارا نظام استوار ہوتا ہے۔ اگر قانونِ مکافاتِ عمل پر ہمارا ایمان ہو، واقعتًا ایمان ہو تو ہم کبھی قسمت کے جال میں پھنسنے نہ پائیں اور ہمارے قدم بہکنے نہ پائیں۔ اگر ہمیں اس اصولِ خداوندی پر پختہ یقین ہو کہ ہمارے ہر ہر خیال نے ہماری ذات پر اثر انداز ہونا ہے اور ہمارے ہر ہر عمل نے اپنا نتیجہ پیدا کرنا ہے تو ہم کبھی بدقسمتی اور خوش قسمتی کے چکر میں پڑ کر عملِ خیر کرنے سے بیگانہ نہ ہوں۔ یہ درست ہے کہ ہم قرآنِ کریم کو اپنا ضابطہ حیات کہنے سے نہیں چوکتے بلکہ بڑے زور و شور سے اس کا اعلان کرتے رہتے ہیں لیکن ہماری زبان کا یہ اعلان ہواؤں میں تو ضرور تحلیل ہو جاتا ہے ہمارے دلوں میں اُترنے نہیں پاتا۔ دلوں میں اُترتا ہو تو قرآن کے عطا کردہ اصول و اقدار اور اس کے قوانین و فیصلے ہمارے قول و عمل سے کبھی جدا نہ ہونے پائیں۔ ہمارے راستے ہمیشہ روشن رہیں۔ اگر قرآن کے فیصلوں پر ہمارا سرِ تسلیم خم ہو تو ہم یہ جان لیں کہ "ہر شخص کو اس کے کاموں کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس میں نہ کسی پر زیادتی ہوگی نہ کسی کے بدلے میں کمی کی جائے گی (۱۶/۱۱۱؛ ۴۰/۱۷؛ ۳۹/۷۰؛ ۳۶/۵۴) اور "جو آنکھیں کھول کر چلتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے اور جو آنکھیں بند کر کے چلتا ہے وہ خود کنوئیں میں گرتا ہے" (۶/۱۰۵، ۲۷/۹۲، ۲۹/۶)۔ نیز یہ کہ "انسان کے لئے صرف وہ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے" (۵۳/۳۹)۔ ایسی کھلی کھلی واضح ہدایاتِ خداوندی کے ہوتے اپنا کردار صاف ستھرا، پاکیزہ و پختہ نہ رکھنا اور اپنے رویّہ زندگی کو مثبت و محکم نہ بنانا ہمارے زندگیوں کا وہ المیہ ہے جو سراسر

گمراہی کا نتیجہ ہے۔ وہ بدقسمتی نہیں جس کی تاریک چادر اپنی دانست میں جواب دہی سے بچنے کے لئے ہم نے اپنے اردگرد لپیٹ رکھی ہے اور اس بدقسمتی کو جوڑ دیا جاتا ہے 'اللہ کی مرضی' کے ساتھ، یہ کہتے ہوئے کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی، بندہ بشر بے چارہ کیا کر سکتا ہے۔ جبکہ قرآن بتا رہا ہے کہ "جو مصیبت بھی تم پر آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے" (۴۲/۳۰) اور "خدا کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں جس کا نتیجہ ان کی تباہی و بربادی ہوتا ہے" (۱۸/۴۴)۔ قرآنِ کریم کا ایک لفظ لفظ اپنی جگہ اٹل ہے جو ہر غور و فکر کرنے والے کو ہر قدم پر سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اس دائمی روشنی میں ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہم اس حقیقت کو صدقِ دل سے تسلیم کریں کہ بدقسمتی کہیں خارج سے نازل نہیں ہوتی۔ یہ اپنے اعمال ہوتے ہیں جو ہمارے لفظوں میں بدقسمتی میں بدل جاتے ہیں۔ اللہ کی کتابِ مبین قرآنِ کریم کی کلی تعلیم کا محور قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ یہی وہ نکتۂ اوّل و آخر ہے جس سے مُنہ موڑ کر ہم نے ہر حوالے سے اپنا مقامِ عزّ و شرف کھو دیا ہے۔

آئیے! اپنے اختیار و ارادے سے باہم مل کر اس ابدی قانون کا دامن مضبوطی سے تھام لیں تاکہ بدقسمتی کے ویرانوں سے نکل کر حسنات کی شادابیوں میں داخل ہو جائیں۔


# طلوعِ اسلام

## ایک ماہنامہ ہی نہیں، ایک زندہ اور زندگی بخش تحریک ہے

جس کا مقصد فکرِ قرآنی کو اس طرح عام کرنا ہے کہ وہ نوجوان طبقہ کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور وہاں سے صحیح آسمانی انقلاب بن کر اُبھرے۔ اس سلسلہ میں اس تحریک کے سالانہ اجتماعات بھی منعقد ہوتے ہیں جن میں اہلِ علم، نہایت شگفتہ و شاداب انداز میں، حالاتِ حاضرہ پر روشنی ڈالتے اور پیش آمدہ مسائل کا تجزیہ قرآنی روشنی میں کرتے ہیں۔

علی محمد چدھڑ

# مذہبی پیشوائیت

جناب علی محمد چدھڑ صاحب کا خط بنام جناب عبدالقادر حسن صاحب

السلام علیکم، ۲۴ جولائی ۱۹۹۲ء روزنامہ جنگ کی اشاعت میں "مشائخ کی خدمت میں" کے عنوان سے آپ کی غیر سیاسی باتوں کا کالم میرے سامنے ہے۔ اسی کے حوالے سے چند باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ پاکستان کے قیام کا مقصد جیسا کہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے فرمودات سے ظاہر ہے، یہ ہے کہ صدرِ اول کے دین کا احیاء کیا جائے نہ کہ آمریت کے دور کا فقہی مذہب یا خانقاہی نظام نافذ ہو۔ دین ایک واحد شاہراہ (صراطِ مستقیم) کا نام ہے جبکہ مذہب ان بے شمار پگڈنڈیوں پر مشتمل ہے جو اس شاہراہ کی مخالف سمت کو جاتی ہیں۔ دین میں ضابطۂ خداوندی کے مطابق اللہ کو حکمران مان کر اُسی کی محکومیت (عبادت) اختیار کی جاتی ہے۔ اس قسم کی حکومت اپنی آزاد مملکت میں ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اسلام کا یہی تقاضا مطالبہ پاکستان کا جذبہ محرکہ بنا۔ مذہب میں عبادت خدا کی پرستش کا نام ہے۔ جس میں ہم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ذریعہ (بزعمِ خویش) اپنی انفرادی نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی مذہبی آزادی دنیا کے ہر ملک میں حاصل ہے۔ مذہب میں تھیاکریسی، ملوکیت اور سرمایہ داری کے باہمی گٹھ جوڑ سے کام چلتا ہے۔ جبکہ دین اسلام ان زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے جن سے طاغوتی طاقتیں بنی نوع انسان کو جکڑ کر رکھنے کا کام لیتی ہیں۔

نقشِ قرآن تا دریں عالم نشست
نقش ہائے کاہن و پاپا شکست

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

بہرحال اس انوکھے لیکن حقیقی اسلام کے لئے جس خطۂ زمین کی ضرورت تھی وہ پاکستان کے نام سے ہمیں مل گیا۔ لیکن قوم کی بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ جس ملک کو ہم نے لاکھوں جانوں، ہزاروں عصمتوں اور اربوں کی مالی قربانی کے بعد حاصل کیا تھا آج پینتالیس ۴۵ سال کے عرصہ دراز کے بعد بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ اس ملک کے حصول کے مقاصد

کیا سمجھتے یا پھر اپنی مصلحتوں کے تحت دیدہ دانستہ ہم انجان بنے ہوئے ہیں۔

وزیرِ اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں صاحب آج علماء و مشائخ (مذہبی پیشوائیت) سے ملک کو اسلامی طریقے پر چلانے کے لئے راہ نما اصول دریافت کر رہے ہیں۔ گویا وہ اسلام کی اس سچائی سے ناواقف ہیں کہ دین میں جاگیرداری سرمایہ داری اور آمریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ صوبے میں امن و امان کی دگرگوں حالت کے پیشِ نظر لوگوں کو اپنی جان، مال اور عزت کا، دن کو بھی دھڑکا لگا رہتا ہے۔ کیا صوبے کے بدقسمت دیہات میں انہیں ڈاکو راج مردہ باد کے نعرے نہیں سنائی دیتے۔ بات یہ نہیں وہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن ان کی مجبوری یہ ہے کہ مجرموں کا یہ سیاہ کار طبقہ ان نام نہاد قومی راہ نماؤں کا پروردہ ہے جو وزیرِ اعلیٰ کے شریک اقتدار ہیں۔ وائیں صاحب بذاتِ خود ایک عوامی آدمی ہیں لیکن اس وقت جاگیرداروں اور سیاسی فرعونوں کے اس گروہ کے نرغے میں ہیں جو پسماندہ طبقہ کے استحصال اور اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر حکومت کو بلیک میل کرتا رہتا ہے۔ پچھلے دنوں زرعی ٹیکس کی تجویز بلکہ افواہ پر وائیں صاحب کو عدم اعتماد کی تڑی سے تو آپ بھی واقف ہیں۔

آپ نے اپنے کالم میں تحریر کیا ہے کہ

"ہمارے ہاں چونکہ حکمران بالعموم اسلامی تعلیمات اور علوم و فنون سے ناواقف ہوا کرتے ہیں اس لئے وہ مشائخ سے راہ نمائی کی درخواست کرتے رہتے ہیں"

لیکن عبدالقادر حسن صاحب اسلام میں اس قسم کی ثنویت خلافتِ راشدہ کے دَور کے بعد آمریت کی ایجاد ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بنو اُمیّہ اور عباسی حکمرانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مذہبی معاملات کے لئے پیشوائیت کا ایک علیحدہ طبقہ ہو جو امورِ مملکت سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ بلکہ ضرورت کے تحت انتظامیہ اور حکومتی سربراہوں کو ان کے جائز ناجائز اقدام پر آشیرباد دیتا رہے۔ اسی ثنویت نے ہی سیاست (امورِ مملکت) کو مذہب سے الگ کر دیا۔ لیکن ؎

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ویسے کتنی عجیب بات ہے کہ آپ ان تقلید زدہ غور و فکر سے عاری مشائخ سے علوم و فنون کی توقع رکھتے ہیں، گویا یخ بستہ راکھ سے چنگاریاں تلاش کر رہے ہیں۔ آپ ایک حقیقت پسند صحافی ہیں اور اپنی منفرد طرزِ تحریر کی بنا پر جانے جاتے ہیں۔ اگر چاہیں تو اپنے اس چھوٹے سے چوکھٹے (کالم) میں ساری دنیا سمو کر رکھ دیں۔ آپ کا قلم دودھ سے پانی بھی علیحدہ کر سکتا ہے۔ لیکن اُس روز کے کالم میں آپ نے ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں۔ مشائخ کو بھی خوش کر گئے ہیں اور وزیرِ اعلیٰ کی درخواست کو بھی حق بجانب قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ دونوں (مذہبی پیشوائیت

اور ملوکیت) استحصالی قوتیں ہیں۔ شاید آپ کی کوئی مصلحت مجبوری بن گئی ہو۔ باقی رہا علماء و مشائخ کے اجتماع سے راہ نمائی کی درخواست کا سوال تو اس کا مطلب صاف ہے کہ آمریت تھیاکریسی سے مدد کی درخواست کر رہی ہے کہ آؤ اپنے معاملات باہمی گٹھ جوڑ سے طے کریں۔ حیران کن امر یہ ہے کہ جس عقیدت کا دم وہ قائداعظمؒ سے ہر وقت بھرتے رہتے ہیں شاید وہ نہیں جانتے کہ ایسا کر کے دراصل وہ ان کی منشا اور مشن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ فروری ۱۹۴۸ء میں بحیثیت گورنر جنرل اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں بابائے قوم نے فرمایا کہ:

"پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی کارفرما نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔"

زمانے کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ آج وہی مذہبی عناصر قائداعظمؒ کے پاکستان میں مکمل طور پر حاوی نظر آتے ہیں اور اس کی مسلم لیگ اسی تھیاکریسی کی بارگاہ سے اپنے اقتدار کے دوام کی بھیک مانگ رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے ایک سیاسی گرو جنرل ضیاءالحق مرحوم کا بھی یہی طریقہ کار تھا۔

جناب عبدالقادر حسن صاحب!

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات (دین) ہے اور ساری دنیا میں اس کا نفاذ مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ بدقسمتی سے یہ نظام اس وقت دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔ اِس نظام کا مقصود و منتہیٰ یہ ہے کہ اپنی مسلسل تگ و دَو، کاوش اور فکر و عمل سے فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا جائے اور پھر وحی یعنی قرآن کی روشنی میں انہیں نوعِ انسان کی منفعت، بہبود اور نشو و نما کے لئے اِس طرح صرف میں لایا جائے کہ اس دنیا کی طبیعی زندگی سرفرازیوں اور کامرانیوں کے علاوہ انسان اُخروی زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے بھی قابل ہو جائے۔ پاکستان کا حصول بھی انہی مقاصد کے لئے تھا۔ اگر آپ اس اندازِ فکر اور مقصد کو سامنے رکھ کر تصوف اور خانقاہی نظام پر نظر ڈالیں تو ان دینی مقاصد کے اُلٹ پائیں گے جو ضابطۂ خداوندی کی عین منشا ہے۔ زمانہ حال کے صوفیوں اور مشائخ میں تسخیرِ کائنات کی قوت نہیں ہے۔ یہ طبقہ زیادہ تر مراقبوں اور چلّہ کشی کے ذریعہ اپنے طور پر روحانیت، سکون اور انفرادی نجات کی طرف راہ نمائی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس علامہ اقبالؒ اس قسم کے سکون اور اطمینان سے اختلاف کرتے ہوئے کسی مردِ خدا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل — جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدئ جاوید — جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

خیر اندیش
علی محمد چدھڑ

# اشاعتِ اسلام
## اور
# پی ٹی وی کی ذمّہ داری

بریگیڈیئر اعزاز الدین احمد خان صاحب کا خط بنام مینجنگ ڈائریکٹر پاکستان ٹیلی وژن اسلام آباد

محترمی و مکرّمی جناب شیخ صاحب! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

میں نے آپ کا مضمون "اشاعتِ اسلام اور پی ٹی وی کی ذمّہ داری" جو نوائے وقت لاہور کی ۲۵ جولائی ۹۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا، دل چسپی سے پڑھا۔ آپ کا یہ ارادہ لائقِ تحسین ہے کہ آپ اللہ کے دین۔ اسلام کو 'پی ٹی وی پر' "ایک پیہم انقلاب کے طور پر" پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ "اس کے پیروکاروں کو اپنے جداگانہ تشخص" کا احساس ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے پی ٹی وی کے پروڈیوسرز کے لئے ایک تربیتی ورکشاپ کا اہتمام بھی کیا، جس میں، منجملہ اور باتوں کے، پی ٹی وی کی "مذہبی نشریات کی مربوط منصوبہ بندی" کی جانی تھی اور پی ٹی وی کی "منزل" کی نشاندہی بھی کرنی تھی۔ امید ہے کہ یہ کر لی گئی ہوں گی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ "مذہبی نشریات کی مربوط منصوبہ بندی" کی عملی شکل کیا سامنے آتی ہے اور پی ٹی وی کی منزل، اگر اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے، کیا ہے؟ یہ بھی وقت ہی بتائے گا کہ اسلام کے عظیم انقلابی پروگرام، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ نظام (دین) کو تمام نظامہائے عالم پر غالب کرنا ہے (۹/۳۳)، کو پیش کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ "درسِ نظامی" کے ماہرین ہی پر انحصار کیا جاتا ہے یا ایسے اصحاب (اور خواتین) کو بھی دعوت دی جاتی ہے جو قرآنی تعلیم پر گہری نظر رکھتے ہوں اور قرآنِ حکیم کو قرآن ہی سے سمجھنے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ہم میں سے اکثر یہ نہیں جانتے کہ جہاں ربّ العزّت نے قرآنِ حکیم کی حفاظت کا ذمّہ لے رکھا ہے (۱۵/۹) اس کے مطالب کی وضاحت کی ذمّہ داری بھی اپنے اوپر عائد کر رکھی ہے (۷۵/۱۹) "ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ" منشائے خداوندی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کو خود قرآن ہی سے سمجھا جائے۔ رسول اللہ اور والذین معہٗ نے اللہ کے دین — اسلام — کو قرآنِ حکیم ہی سے سمجھا تھا کیونکہ اس وقت فقہ اور روایات کے موجودہ مجموعوں کا وجود ہی نہیں تھا۔ ان کے لئے صرف اور صرف قرآنِ حکیم تھا۔ قرآنِ حکیم ہی اس مملکت کا دستور تھا جو حضور نبی اکرمؐ نے مدینہ

میں متشکل فرمائی تھی (۵/۴۴، ۵/۴۸)۔ ہمارے سامنے راستہ بڑا واضح ہے۔ کاش ہم اسے دیکھ سکیں۔

یہ واضح راستہ ہمیں اس لئے دکھائی نہیں دیتا کہ ہم نے دین اور مذہب کو گڈمڈ کر رکھا ہے۔ سب سے بڑا انقلاب جو آپ پی ٹی وی کی "مذہبی نشریات" میں برپا کر سکتے ہیں، یہ ہے کہ اپنے پروڈیوسرز صاحبان کو دین اور مذہب میں جو واضح فرق ہے اُسے اُن کے سامنے رکھیں تاکہ وہ قوم کے سامنے اللہ کے صحیح دین کو پیش کر سکیں اور اس طرح قوم اپنی صحیح منزل کی طرف رواں دواں ہو سکے۔ قوم کو بتائیے کہ اسلام، مذہب نہیں، دین ہے۔ مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو۔ اور دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو دین اللہ کہا ہے۔ یعنی اللہ کا دین۔ اس کی نسبت (اور تو اور) کسی رسول کی طرف بھی نہیں کی۔ اپنے اس دین کے قوانین، احکام و اصول و اقدار اللہ نے اپنی کتاب (القرآن) میں مکمل اور محفوظ کر دیئے ہیں۔ اس لئے الدّین اور قرآن ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ یہ ہے وہ حقیقت جو آپ کو قوم کے سامنے رکھنی چاہیئے تاکہ ہم اپنی منزل کو پالیں۔ ہمارے اکثر مذہبی پیشوا، جو پی ٹی وی کی "مذہبی نشریات" پر چھائے ہوئے ہیں، اس حقیقت کو یا تو بیان ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو سرسری طور پر، کیونکہ یہ "حقیقت" ان کی "حاکمیت" پر ضربِ کاری لگاتی ہے۔ ان حضرات کا سارا زور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ دین اللہ سے مراد کیا ہے، اسلام کسے کہتے ہیں۔

مختصراً دین نام ہے زندگی کے ہر گوشے میں، اللہ کی کتاب کی روشنی میں ("بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ" کی روشنی میں) عقل و فکر سے کام لے کر چلنے کا۔ اس کے خلاف "مذہب" (یعنی انسانوں کا خود ساختہ طریق) ہمیں سکھاتا ہے کہ خدا پرستی اس طریقہ کا نام ہے جس میں انسان عقل و فکر سے کام نہ لے اور جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آیا ہے اس پر آنکھ بند کر کے چلتا جائے۔ خود نہ سوچیں نہ سمجھیں۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں کا سارا زور تقلید اور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے، کیونکہ اس سے، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، ان کی اپنی حاکمیت قائم رہتی ہے۔ یہ ہے وہ "اسلام" جو پی ٹی وی کی "مذہبی نشریات" میں پیش کیا جاتا ہے (اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ)۔ اسی لئے غالباً انہیں "مذہبی نشریات" کہا جاتا ہے! دین کے متعلق پی ٹی وی کی نشریات کو "دینی نشریات" کہیئے تاکہ ذہن میں دین کا تصور کچھ تو ابھر سکے۔ سُن لیجئے کہ جب تک اسلام کو مذاہب کی صف سے نکال کر دین (ضابطۂ حیات) کی حیثیت سے نہیں سمجھا جائے گا، اس کا انقلابی پروگرام سامنے نہیں آسکتا۔ اپنی منزل تک پہنچنے اور اس کا انقلابی پروگرام سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم متعین طور پر سمجھیں کہ اسلام کیا ہے؟

ہمارا یہ دعویٰ ہے (اور یہ دعوےٰ ہمارے ایمان پر مبنی ہے) کہ اسلام اللہ کی طرف سے عطا کردہ آخری اور مکمل دین (ضابطۂ حیات) ہے جو نوعِ انسانی کی تمام مشکلات یعنی زندگی کے تمام بنیادی مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا

ہے لیکن جب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے تو اس کے جواب میں مختلف گوشوں سے مختلف آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں اور جب ان آوازوں کو یکجا کیا جائے تو ان کا ماحصل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اب ظاہر ہے کہ جس اسلام کا تصور صرف اس قدر ہو وہ تمام نوعِ انسان کی مشکلات تو ایک طرف خود مسلمانوں کی مشکلات کا حل بھی پیش نہیں کرسکتا۔

قوم کو بتائیے کہ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے جن کی بنیادیں چند مستقل اقدار PERMANENT VALUES پر قائم ہیں۔ جب تک یہ بنیادی مستقل اقدار واضح، غیر مبہم اور متعین طور پر سامنے نہ آجائیں، یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ نظامِ زندگی ہے کیا جسے اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو زندگی کے اہم مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ان بنیادی اقدار کی سند کیا ہے؟ اس کا جواب آسان ہے۔ قرآنِ حکیم اسلام کا ضابطۂ قوانین ہے۔ لہٰذا، اسلامی اقدار وہ ہیں جن کی سند قرآنِ حکیم سے مل جائے۔ ان اقدار کو قرآنِ حکیم سے اخذ کرکے ان کا متفق علیہ مفہوم متعین کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کے بغیر مسلمانوں میں وحدتِ فکر ممکن نہیں۔

اسلام کو "پیہم انقلاب کے طور پر" پیش کرنے کی اس سے بہتر شکل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی بنیادی قدروں کو سلجھے ہوئے انداز میں قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ آپ کو کرنا ہے۔

رہا سوال پی ٹی وی کی منزل کا، تو یہ پاکستان کی منزل سے جدا نہیں ہوسکتی۔ پاکستان کی منزل کا تعین تو قائداعظمؒ نے شروع ہی میں یہ کہہ کے کر دیا تھا کہ ایک آزاد خطۂ زمین کا حصول، ہمارے لئے مقصود بالذات نہیں تھا۔ یہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور وہ مقصد ہے اس خطۂ زمین میں صحیح اسلامی مملکت کا قیام۔ (اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ کراچی)۔ یہ ہے پاکستان کی منزل۔ یہ ہے پی ٹی وی کی منزل۔ اپنی منزل کے حصول کو ممکن بنانے کے لئے پی ٹی وی کو قرآنِ حکیم کا اسلام ــــ وہ اسلام جو عہدِ رسول اللہ اور دورِ خلافتِ راشدہؓ میں رائج تھا ــــ پیش کرنا ہوگا۔ ہمارے مذہبی پیشوا ہمارا موجودہ "اسلام" پیش کرتے ہیں، جو منزل من اللہ دین نہیں ہے، بلکہ انسانوں کا خودساختہ مذہب ہے اور مذہب کوئی بھی ہو اس میں زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ ہمارے مروجہ "اسلام" نے ملتِ پاکستانیہ کی وحدت کو (فرقوں میں بانٹ کر) پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ فرقے، مذہب میں ہوتے ہیں، دین میں فرقوں کا کیا سوال۔ لیکن ہمارے مذہبی پیشوا اس دینی حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسی لئے تو قرآن کہتا ہے کہ مذہبی پیشوا اللہ کے دین کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں (۹/۳۴)۔ کاش ہم سوچیں۔

ہماری نجات وسعادت کی ایک ہی راہ ہے ــــ وہ راہ جو مقامِ محمدیؐ (وحی) پر ایمان سے متعین

ہوتی ہے اور جس کی طرف پیامِ محمدیؐ (قرآن) راہ نمائی کرتا ہے۔

اگر بایں نہ رسیدی تمام بولہبی است

اپنے پروگرام کو استقامت سے عملی جامہ پہنائیے۔ قوم کا باشعور طبقہ آپ کی کامیابی کے لئے دعاگو رہے گا۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

والسلام

دُعاگو

اعزاز الدین احمد خاں۔

(بقیہ "ملاوٹ")

اسی ملک میں ہی کیوں نہ بستے ہوں (۲/۶۴)۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت اسلامی مملکت کے ذمے ہوگی۔ (۲۲/۴۰)۔

یہ ہے قرآنِ کریم کی ان مستقل اقدار کا ذکر، جو زیادہ نمایاں ہیں اور جن کے اندر انسانیت کے بنیادی حقوق محفوظ ہیں۔ اب دیکھئے کہ وہ کون سے انسانی حقوق کے جدید ترین اور بلند ترین تصورات و معیارات ہیں جن کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اسلامی نظام کے ساتھ نتھی کرنے کے خواہاں ہیں۔ اور وہ قومیں جو جدید ترین تصورات و معیارات کی حامل ہیں انہوں نے عملی طور پر حقوقِ انسانیت کا کیا نقشہ پیش کیا ہے؟ جہاں مغربی جمہوریت ہے وہاں استحصالی قوتیں عروج پر ہیں۔ وہ فرعون جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جو حضرت موسیٰؑ کے مدِمقابل تھا، اس میں اور آج کے امریکی صدر میں کوئی فرق نہیں بلکہ آج کی فرعونیت اس زمانے کی فرعونیت سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ مغربی معاشرے میں قارونیت لاانتہا ہے۔ دولت کی غلط تقسیم کا مغربی جمہوریت کے پاس کوئی علاج نہیں۔ وہ ممالک جو مغربی جمہوریت کے گڑھ ہیں، وہاں سیاہ فام لوگ گوروں کے غلام ہیں اور وہاں بدکاری اس حد تک موجود ہے کہ ساری قوم ننگی ہے۔

مغربی جمہوریت کے پرستاروں نے ایک اصطلاح (FUNDAMENTALIST) فنڈامنٹلسٹ ایجاد کی ہے جسے وہ مذہبی لوگوں کے لئے بطور گالی استعمال کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کا مفہوم واضح نہیں۔ اگر تو اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر اس تصور کو جو ان کے آباؤ اجداد سے لے کر مذہبی دنیا میں چلا آرہا ہے، غیر متبدل سمجھتے ہیں تو یقیناً یہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ لیکن اگر فنڈامنٹلسٹ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے FUNDAMENTALS یعنی احکام قوانین اور مستقل اقدار کے غیر متبدل ہونے پر ایمان رکھتے ہیں تو فنڈامنٹلسٹ کہلانا قابلِ فخر بات ہے۔ ہمارے پاکستانی حکمران فنڈامنٹلسٹ کی اصطلاح سے گھبراتے ہیں۔ وجہ معلوم نہیں کیوں۔ غالباً وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو فنڈامنٹلسٹ کہا تو امریکہ کا جارج بُش ہمیں مارے گا۔ (جاری ہے)

ڈاکٹر سید عبدالودود

# نَفسٍ وَّاحِدَة

قسط نمبر ۳

## کیمیائی ارتقا کا وہ مرحلہ جو زندگی کا پیش خیمہ بنا

خلیہ زندگی کی بنیادی اکائی کا نام ہے۔ یہ خوردبین سے نظر آنے والا قطرہ ہے۔ جس میں پہلے بیان کئے گئے سات کیمیائی مرکب موجود ہیں۔ خلیوں کی پیدائش کے بعد کیمیائی ارتقا پھر بھی جاری رہا۔ سالمات سے پھر بھی نئے سالمات بنتے رہے لیکن زندگی خیز سالمات کے اندر ایک نئی تخلیق معرجِ وجود میں آئی جس میں زندگی کی خاصیتیں موجود تھیں۔ یہ زمین کے ارتقائی منازل میں سے سب سے اہم مسئلہ ہے اس کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ابتدائی خلیات ۲۰۰ ملین سال (۲۰ کروڑ سال) پیشتر نمودار ہوئے خلیوں کی تخلیق کے مرحلے کو ٹھیک ٹھیک الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ تاہم مندرجہ ذیل بیان طبیعیاتی اور کیمیائی قوانین کے مطابق ہے۔

## سیلز یا خلیوں کی ابتداء

اوپر بیان کیا گیا زندگی خیز مادہ (ORGANIC MATTER) لیس دار قطروں کے اندر جمع ہو گیا۔ چونکہ اس مادہ میں ایسی صفات موجود تھیں اس میں زندگی کی نمود شروع ہو گئی۔ پہلا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مادہ لیسدار قطروں میں جمع کیسے ہوا؟ کیونکہ سمندر کا پانی مادہ کے اکٹھے ہونے کے لئے (DILUTE MEDIUM) رقیق وسیلہ تھا۔ دوئم مادہ کی ان جزئیات کا ایک جگہ پر کافی مدت تک پانی کے اندر اکٹھے رہنا مشکل تھا کیونکہ اگر یہ جزئیات اتفاقیہ یکجا ہو بھی جائیں، تو سمندری پانی کی موجیں ان کو پھر بہا کر الگ الگ کر سکتی ہیں۔ اس لئے اغلب ہے کہ یہ جزئیات سمندری پانی کی بجائے سمندری ساحل کی مٹی میں یکجا ہوئیں۔ جہاں ان کے چپکنے اور اس حالت میں کافی وقت تک رہنے کا امکان زیادہ تھا۔ چپکنے کی خاصیت جسے سائنس کی زبان میں ADSORPTION کہتے

ہیں۔ شوگر، چربی اور پروٹین کے اندر موجود ہے اور یہ مختلف چیزوں کی سطح کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے جس کا بیان آگے چل کر ہوگا۔ دوسری طرف ریت اور گارا چپکنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ چنانچہ اس چیز کا قوی امکان ہے کہ اس زندگی خیز مادہ کے کچھ جزئیات ساحلِ سمندر پر مختلف جگہوں میں گیلی مٹی کے ساتھ چپک گئے اور باقی جزئیات وقتاً فوقتاً ان کے ساتھ جمع ہوتی گئیں۔ کیونکہ مٹی کے مساموں کے اندر ان کے جمع ہونے کے بہترین مواقع تھے۔ اور سمندر موجوں کے پیچھے ہٹنے کے بعد خشکی پیدا ہونے سے ان کے اجتماع کے مواقع اور بہتر ہو گئے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ پیچیدہ مرکبات، روغنیات، پروٹینز اور نیوکلی اک ایسڈ وغیرہ پہلے پانی کے اندر بنے اور پھر ساحلی گارے کے ساتھ چپک گئے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ سادہ مرکبات شوگرز، گلسرینز اور امائنو ایسڈز وغیرہ مٹی کے مساموں میں جذب ہو گئے اور وہاں باہمی تعامل سے پیچیدہ مرکبات بنے۔ وہاں باہمی تعامل کے مواقع بہتر تھے۔ کیونکہ یہ مرکبات ایک دوسرے کے زیادہ قریب آچکے تھے اور ان ساحلی علاقوں میں جہاں سمندر کے پانی کا اتار چڑھاؤ رہتا ہے وہاں مٹی خشک ہونے کی وجہ سے جزئیات کا باہمی تعامل مزید سازگار ہو گیا۔

یہ تجربات کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے کہ امائنو ایسڈز کے گاڑھے آمیزے کو NEAR DRYNESS CONDITIONS قریباً قریباً خشک حالت میں گرم کیا جائے تو اس سے پروٹین جیسا مادہ بن جاتا ہے اسی طرح دیگر سادہ مرکبات کو اگر قریباً خشک حالت میں گرم کیا جائے تو اس سے ایسے مرکبات بنتے ہیں جن کی خاصیتیں نیوکلی اک ایسڈ سے ملتی ہیں۔ یہ نقطہ قرآن کی رُو سے بھی اہم ہے جس کا ذکر ابھی ہوگا۔

ایک مرتبہ جب نیوکلی اک ایسڈ بن گئے، تو اس کے بعد پروٹینز کی تعمیر شروع ہو گئی۔ ایسا (MIXPURE) آمیزہ جس میں روغنیات اور پروٹین شامل ہوں ان میں فلم یا جھلی بنانے کی خاصیت ہوتی ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دودھ کو اگر ہلکی آگ پر رکھا جائے تو اس کی سطح پر ایک جھلی بن جاتی ہے اور بعض پروٹینز جب جم جائیں تو ان کے اندر ذرات یا دھاگے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خون جو زخم سے باہر آکر جم جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خون کا فائبری نوجن مادہ جم کر دھاگے بنا دیتا ہے جن کو فائبرین کہتے ہیں۔ پالی سیکرائڈز مثلاً درخت کے چھلکے کے سیلولوز میں بھی یہ خاصیت ہے۔ چنانچہ ساحلِ سمندر کی مٹی کے مساموں کے اندر جمع شدہ مادہ کے باہر جھلی بن گئی اور اندر کی طرف دھاگے نمودار ہوئے۔ اب اس جھلی کے اندر ساتوں اجزاء یعنی پانی، معدنیات، اے۔ٹی۔پی، پالی سیکرائیڈز، روغنیات، پروٹینز اور نیوکلی اک ایسڈ بند ہو گئے۔ اس طرح جو اکائیاں پیدا ہوئیں وہ سیل یا خلیے بن گئے۔ اب چونکہ ان اکائیوں کے گرد حفاظتی جھلی بن چکی تھی اس لئے یہ دوبارہ پانی کے اندر بہہ جانے کے بعد بھی محفوظ رہے۔ کیونکہ اب ان کے اجزاء کے بکھر جانے کا خطرہ نہیں تھا۔

ابتدائی خلیے دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سی غلطیوں اور آزمائشوں کے بعد بنے ہوں گے۔ کیونکہ اس سلسلے میں کئی ممکنات سامنے ہیں۔ نامعلوم ان ساتوں مرکبات کو یکجا ہونے میں کتنی دیر لگی ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی صحیح اور متوازن مقدار کو یکجا ہونے میں بہت دیر لگی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے تمام اجزار متوازن مقدار میں جمع ہونے اور خلیہ بننے کے آخری مرحلے پر پہنچنے سے پہلے کئی مرتبہ سمندر کے پانی میں بہہ گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جزئیات STAGE OF NEAR DRYNESS قریبًا قریبًا خشک ہونے کے مرحلے سے گزر کر بالکل خشک ہو گئے ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیوں کی تعمیر کے تمام مرحلوں کے طے ہونے کے بعد یہ ساحلی مٹی کے مساموں کے اندر خشک ہو گئے ہوں۔ تاہم لاکھوں کروڑوں سالوں کی بار بار غلط ابتداء اور نامکمل اختتام کے بعد کچھ خلیے ساحلی مٹی سے سمندر کے پانی میں صحیح و سالم داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جس نوعیت کا کیمیائی مواد سمندر کے پانی میں پہلے پہل جمع ہوا تھا۔ اس کے بعد خلیوں کے معرضِ وجود میں آنا اتفاقی بات نہیں تھی بلکہ وقت کی بات تھی۔ ایسا ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہی تھا۔

اس مرحلے پر کائنات کی تخلیق کے دو ادوار جنہیں قرآن کریم یومین کہتا ہے مکمل ہو گئے اور خلیوں کی ابتدا سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد چار ادوار وہ ہیں جن میں زندہ اشیار کی ارتقا کے چار مراحل طے ہوئے جنہیں قرآن اربعہ ایام کہتا ہے۔

## زندگی کی بنیادی خصوصیات

### غذائیت

ابتدائی خلیے اپنی نشو ونما کے لئے (INORGANIC MATTER) بے جان مادہ اور (ORGANIC MATTER) زندگی خیز مادہ براہِ راست سمندر کے پانی سے حاصل کرتے تھے۔ یہ سادہ قسم کی غذائیت تھی جو نیوٹرینٹس زیادہ پیچیدہ قسم کے ہوں ان کو (FOOD) خوراک کہا جاتا ہے۔

### سانس

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اے۔ ٹی۔ پی اور غنیات اور (کاربوہائیڈریٹس) میٹھا اور نشاستہ وغیرہ کی (DECOMPOSITION) تحلیل سے جو انرجی پیدا ہوتی ہے اسے قابو کر لیتی ہے اور خلیوں کے اندر کیمیائی تعامل کے لئے اسے منتقل کر دیتی ہے۔ انرجی کے ایک جگہ سے حاصل کرنے اور دوسری جگہ منتقل کرنے کے عمل کو

(RESPIRATION) سانس لینا کہتے ہیں۔ اس عمل کا مقصد کیا ہے؟ ہائیڈروجن آکسیجن اور کاربن کے ایٹمز میں جو (BOND) جوڑ ہوتے ہیں وہ کمتر درجہ کی انرجی سے پیدا شدہ ہوتے ہیں۔ لیکن خلیوں کے اندر پیچیدہ تعامل کے لئے بہت زیادہ انرجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ انرجی اے ٹی پی سے میسر آتی ہے۔ ایندھن کے سالمات سائز میں بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن انرجی ان میں کم ہوتی ہے اور اے۔ ٹی۔ پی کے سالمات سائز میں چھوٹے ہوتے ہیں اور انرجی ان میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ خلیئے کے اندر فوری طور پر انرجی مہیا کرنے کا ذریعہ اے ٹی پی ہے۔ گویا سانس کا عمل زندگی کو قائم رکھنے کے لئے POWER GENERATION توانائی مہیا کرنے والے آلے کا کام دیتا ہے۔

## خود مرمت (SELF REPAIR)

غذائیت اور سانس کے عمل سے توانائی مہیا ہونے کے نتیجہ میں نیوکلی اک ایسڈ اپنی نقل یا مثنٰی بنانا شروع کر دیتا ہے۔ اور نیوکلی اک ایسڈ کی تعداد کے اضافے کے نتیجہ میں نئی (PROTEIN) لحمیات تیار ہو جاتی ہیں اور پروٹین چونکہ (ENZYME) خمیر بھی ہے اس لئے نئے روغنیات اور پالی سیکرائڈ یعنی شوگرز اور نشاستہ کے مرکبات بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیہ اپنے گھسے ہوئے یا ضائع شدہ حصے کی خود مرمت کر لیتا ہے۔ اسی کا نام (SELF REPAIR) یا خود مرمت ہے۔ اس کا مشاہدہ جاندار اشیاء میں اس طرح ہوتا ہے کہ ایک کیچوے کو درمیان میں سے کاٹ دیا جائے تو دونوں ٹکڑے خود مرمت سے دو کیچوے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم انسان میں دیکھتے ہیں کہ زخم مندمل ہونے کا عمل اسی 'خود مرمت' کے ذریعے ہوتا ہے۔

## بالیدگی (GROWTH)

جوں جوں نئے مرکبات تیار ہو کر خلیئے کے اندر بڑھ جاتے ہیں خلیئے کا حجم بڑا ہوتا جاتا ہے۔ اسے GROWTH بالیدگی کہتے ہیں۔

## نمو (DEVELOPMENT)

خلیئے کے اندر نئی قسموں کے مرکبات بنتے جاتے ہیں جن سے خلیوں کی خاصیتیں اور شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ اسے (DEVELOPMENT) یا نمو کہتے ہیں۔

نوٹ:۔ اردو دان طبقہ (GROWTH) اور (DEVELOPMENT) میں فرق نہیں کرتا

اس لئے ڈکشنریوں میں دونوں کے لئے ایک ہی الفاظ استعمال ہو رہے ہیں بہرحال
ہم اپنے بیان میں (GROWTH) کے لئے بالیدگی کا لفظ استعمال کریں گے اور ـــــ
(DEVELOPMENT) کے لئے نمو کا۔)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے خلیئے کے اندر کیمیائی مرکبات کے باہمی تعامل کو کنٹرول کرنے والی بنیادی چیز بالآخر نیوکلی اک ایسڈ ٹھہری۔ خلیئے کے اندر جو نیوکلی اک ایسڈ ہوتے ہیں انہیں (GENES) مورثے کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خلیئے کے اندر ہر قسم کے عمل کا کنٹرول مورثوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے خلیئے مستحکم ہو گئے اور غذائیت، سانس، خود مرمت، بالیدگی اور نمو کے اعمال متوازن ہو گئے اور ہمیشہ ایک ہی طرز پر چلنے کے قابل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیئے آج بھی زندہ ہیں اور ان کی خصوصیات وہی ہیں جو آج سے عربوں سال پہلے کے خلیوں میں تھیں۔ چنانچہ موجودہ خلیئے انہی پرانے خلیوں کے جانشین ہیں۔

## تولید (REPRODUCTION)

خلیئے کے اندر نئی نئی قسم کے مرکبات کے پیدا ہونے سے خلیئے کی بالیدگی ایک خاص حجم تک قائم رہتی ہے۔ اس کے بعد خلیہ غیر مستحکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خلیوں کی تولید عمل میں آئی۔ تولید سے نہ صرف یہ کہ خلیئے تعداد میں بڑھتے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی نسل آئندہ قائم رہتی ہے۔ چنانچہ موجودہ جاندار اشیاء کے خلیئے اربوں سال پہلے خلیوں کی نسل ہیں۔

## موافقت (ADAPTATION)

چونکہ ابتدائی خلیئے تعداد میں بے انتہا بڑھتے گئے۔ اس لئے سمندر کے پانی میں ان کی غذا کم ہوتی گئی اس کے بعد خلیوں میں غذا کے حصول کے لئے باہمی مقابلہ شروع ہو گیا۔ صرف ان خلیوں کی بقا قائم رہ سکی جنہوں نے نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ اس عمل کو (ADAPTATION) یا موافقت پیدا کرنا کہتے ہیں۔ یہ اس طرح ممکن ہوا کہ یا تو خلیوں نے حاضر غذا کا بہتر طریق سے استعمال کیا یا زیادہ جلدی جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی یا غذا تیار کرنے کے نئے طریقے اختیار کئے۔

خلیوں کی خاصیتوں میں تبدیلی اس صورت میں ممکن تھی کہ ان کے (GENES) مورثوں میں تبدیلی پیدا ہو۔ یہ اس طرح ممکن ہوا کہ بعض دو خلیئے آپس میں مدغم FUSE ہو گئے۔ یہ ادغام یا تو جزوی اور عارضی ہوا یا مکمل اور مستقل، جس میں دونوں خلیوں کے مورثے آپس میں مل کر یکجا ہو گئے۔ مورثوں میں اس تبدیلی کے بعد

نئے خلیے کی خاصیتیں مستحکم ہوگئیں۔ یہ دو مختلف خلیوں کے باہم مل کر ایک بن جانے کا نام (SEX) صنف ہے۔ مورثے صنف کے علاوہ (MUTATION) یا فوری تبدیلی کے ذریعے بھی بدلے جس کے بعد ان کے زندہ رہنے کا امکان صنف کی نسبت زیادہ ہوگیا اس لئے (MUTATION) یا فوری تبدیلی کے بعد باوجود مقابلے کے زیادہ سے زیادہ خلیے غذا کے حصول کے قابل ہو گئے۔

## ارتقاء (EVOLUTION)

دو خلیوں کا باہمی مل کر ایک ہو جانا یا مورثوں کی تبدیلی ہمیشہ اتفاقیہ ہوتی رہی ہے۔ کوئی دو خلیے آپس مدغم ہو گئے اور مدغم ہونے کے بعد کوئی مورثے تبدیل ہو گئے۔ اس عمل کے دو نتیجے نکلے۔
نئے خلیے جو ادغام (FUSION) یا مورثوں کی تبدیلی کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئے ان کی قوت مقابلہ کے بڑھنے یا گھٹنے کا انحصار ماحول پر تھا جس میں وہ واقع ہوئے۔ جن خلیوں کو موافق ماحول میسر آگیا وہ اگلی نسلوں میں آگے چلتے رہے۔ اس کے برعکس جن خلیوں کو موافق ماحول نہ مل سکا وہ (EXTINCT) ناپید ہو گئے۔ چنانچہ ایسی تبدیلیاں جن میں نئی قسم کے خلیے نئی خصوصیات کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ پیدا ہوتے رہے EVOLUTION ارتقاء کا سبب بن گئیں۔
مختصراً زندہ اشیاء کی خصوصیات جو ان کو بے جان اشیاء سے متمیز کرتی ہیں وہ یہ ہیں:۔
۱۔ غذائیت، ۲۔ سانس، ۳۔ خود مرمت، ۴۔ نئی قسم کے مرکبات کی پیدائش جن سے جسم کا بڑھنا اور نئی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں، ۵۔ تولید، ۶۔ نئے ماحول کے مطابق ڈھلنا، صنف اور (MUTATION) فوری تبدیلی کے ذریعے۔

ان تمام صفات کا مجموعی نام زندگی ہے۔ اربوں سال پہلے جب ابتدائی خلیے بنے، اس وقت سے لیکر آج تک یہ افعال جاری ہیں۔ گو ان کے طور طریقے زمانے کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہے۔ موجودہ وقت میں ایسی زندہ اشیاء بھی ہیں، جو ایک ہی خلیے پر مشتمل ہیں اور ایسی بھی ہیں جو اربوں خلیوں کا مجموعہ ہیں۔ جس طرح خود انسان یا دوسرے حیوانات و نباتات ہیں۔ اب غذائیت کے فعل کو لیجئے۔ ابتدائی خلیہ براہِ راست سمندر کے پانی سے اپنی غذا حاصل کرتا تھا۔ لیکن انسان یا دیگر حیوانات میں دیکھئے غذا حاصل کرنے کا عمل کس قدر پیچیدہ ہے۔ غذا منہ کے راستے خوراک کی نالی میں جاتی ہے۔ پھر معدہ میں جاتی ہے، پھر انتڑیوں میں جاتی ہے جہاں ہضم ہونے کے بعد خون میں شامل ہوتی ہے۔ پھر جسم کے مختلف حصوں میں، جو مختلف قسم کے ہیں، ان میں تقسیم ہوتی ہے۔ اسی طرح مثلاً تولید کے عمل کو لیجئے۔ ابتدائی خلیے ایک سے دو، دو سے چار اسی طرح تقسیم ہوتے جاتے تھے۔ لیکن انسان

میں یا دیگر حیوانات میں تولید کا عمل کس قدر پیچیدہ ہے۔ یہی حال زندگی کے دیگر بنیادی افعال کا ہے چنانچہ زندگی کی صفات مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ لیکن ان کو بروئے کار لانے کے طریقے زمانے کے ساتھ بدلتے گئے۔ گویا زندگی استقلال (PERMANENCE) اور تبدیلی (CHANGE) دونوں کا حسین امتزاج ہے۔

# خلیوں کی حیاتیاتی تنظیم

## خلیے کی بنیادی ساخت

ایک خلیئے کا سائز عام طور پر ۲. مائکرو ملی میٹر سے لے کر چند ملی میٹر تک ہوتا ہے۔ عموماً خلیئے ایک معیاری سائز سے نہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں نہ بہت بڑے۔ بہت چھوٹے سائز میں اس کے تنظیمی اجزاء مناسب طور پر نہیں سما سکتے اور بہت بڑے سائز میں اس کی تنظیمی مشینری کو برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر خلیئے دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔

(۱) نیوکلیس یا نوات اور اس کے اردگرد (۲) زندہ مادہ جسے سائٹوپلازم کہتے ہیں۔
نیوکلیس کے گرد ایک باریک جھلی ہوتی ہے جسے نیوکلیر میمبرین کہتے ہیں اور سائٹوپلازم کے گرد ایک جھلی ہوتی ہے جسے سیل میمبرین کہتے ہیں۔ بعض خلیوں میں سیل میمبرین کے باہر ایک اور دیوار ہوتی ہے لیکن یہ زندہ شئے نہیں ہوتی اسے سیل وال کہتے ہیں۔

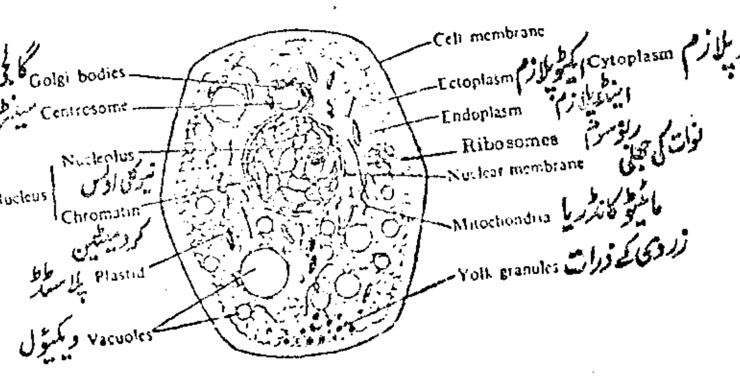


## نیوکلیس

اس کے اندر تین قسم کے مادہ موجود ہیں، نیوکلیر سیپ، یہ مائع چیز ہے۔ جس کے اندر کروموسومز اور ایک یا دو

نیوکلی اَس لٹکے ہوتے ہیں۔ بنیادی چیز اس کے اندر کروموسومز ہیں۔ کیمیائی لحاظ سے کروموسومز پروٹین اور نیوکلی اک ایسڈ سے بنے ہوتے ہیں جو دونوں کی ملاوٹ سے نیوکلیو پروٹین کہلاتے ہیں۔ نیوکلیو پروٹین کا زیادہ اہم نیوکلی اک ایسڈ (DNA) 'ڈی این اے' کہلاتا ہے اور دوسرا (RNA) 'آر این اے' ہے۔ عملی طور پر کروموسومز کے اندر (GENE) جینی کام کرتے ہیں جیساکہ پہلے بتایا جاچکا ہے ـــــ (GENE) خلیئے کے اندر تمام اعمال کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جس وقت خلیے کی تولید کا وقت ہوتا ہے اس وقت کروموسومز زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ کروموسومز کی تعداد ہر نوع میں مختلف اور مقرر ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کے خلیئے کے اندر ۴۶ کروموسومز ہوتے ہیں۔

نیوکلی اَس کے اندر دوسری چیز جیساکہ اوپر کہا گیا ہے ایک یا دو 'نیوکلی اولس' ہوتے ہیں۔ نیوکلی اولس کے اندر (DNA) کی بجائے (RNA) ہوتا ہے۔ یہ بھی نیوکلی اک ایسڈ کی ایک قسم ہے۔ اس کا کام نئی پروٹین بنانا ہوتا ہے۔ نیوکلیئر ممبرین نیوکلی اَس کے اندر داخل ہونے والے اور باہر نکلنے والے مادے کی آمد و رفت کو کنٹرول کرتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ (DNA) حاکم ہے جس کے حکم پر (RNA) جو ایک کارندہ ہے پروٹین بناتا چلا جاتا ہے جو کہ جاندار جسم کا بلڈنگ میٹریل ہے۔ نیوکلی اَس اور سائٹوپلازم کا باہمی تعلق یہ ہے کہ چونکہ نیوکلی اَس کے اندر (GENE) ہوتے ہیں اس لئے خلیئے کے تمام اعمال کا کنٹرول نیوکلی اَس کے ہاتھ میں ہے اور سائٹوپلازم وہ جگہ ہے جہاں یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن یہ یکطرفہ کارروائی نہیں ہے۔ بعض احکام سائٹوپلازم سے صادر ہوتے ہیں اور ان کی تعمیل نیوکلی اَس میں ہوتی ہے۔

## سائٹوپلازم

یہ ایک گاڑھی مائع چیز ہے جس کے اندر مختلف اشیاء ہیں۔ جن کی شکل اور سائز بھی مختلف ہیں اور وہ کیمیائی لحاظ سے بھی مختلف ہیں۔ نیز ان کے اعمال بھی مختلف ہیں اور یہ حسبِ ذیل ہیں۔

## ا۔ مائیٹوکانڈریا

یہ چھوٹے چھوٹے ڈنڈے سے ہیں۔ ۲۔ مائیکرو ملی میٹر اس کی لمبائی ہوتی ہے۔ یہ کیمیائی لحاظ سے چربی اور پروٹین کا مرکب ہے۔ اس کے اندر (RNA) نیوکلیو پروٹین کے علاوہ (RESPIRATORY ENZYMES) سانس والے خمیر) یعنی ایسے خمیر جن کے ذریعے انرجی منتقل ہوتی ہے موجود ہیں۔ یہ گویا کیمیائی فیکٹریاں ہیں جو خلیئے کے اندر سانس کے عمل کو جاری رکھتی ہیں۔

**ب۔ رائبوسومز** یہ چھوٹے چھوٹے دانوں کی شکل میں ہیں۔ ان میں (RNA) نیوکلیو پروٹین کے علاوہ

جسم کے بلڈنگ میٹریل کو آپس میں جوڑنے کے خمیر موجود ہیں۔ یہ گویا پروٹین کے سالموں کو باہم جوڑنے کی فیکٹریاں ہیں۔

## ج۔ گالجی باڈیز

ان کی شکل مختلف جگہوں میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ یا تو یہ قطروں کی شکل میں یا باریک طشتریوں کی شکل میں ہوتی ہیں جو اوپر نیچے تہ بہ تہ پڑی ہوتی ہیں۔ یہ خلیئے کے اندر رطوبتیں پیدا کرتی ہیں اور غددوں کے خلیوں میں نمایاں ہوتی ہیں۔

## د۔ پلاسٹڈز

یہ گول بیضوی پتریاں ہوتی ہیں۔ پودوں کے خلیوں میں پائی جاتی ہیں۔ ایسے خلیئے جن میں (PHOTO - SYNTHESIS) یعنی سورج کی روشنی کے ذریعے غذا پیدا کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔

(ا) پہلی قسم میں یہ بے رنگ ہوتی ہیں جن میں نشاستہ جمع رہتا ہے۔ ان کو لیوکوپلاسٹ کہتے ہیں۔

(ب) دوسری قسم کے اندر رنگ پائے جاتے ہیں۔ ان کو کروموپلاسٹ کہتے ہیں۔

(ج) تیسری قسم میں سبز رنگ پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام گویا خوراک پیدا کرنے کی فیکٹریاں ہیں۔

## ہ۔ سنٹریئولز

یہ نہایت چھوٹا سا دانہ ہے جو خلیئے کی تولید کے وقت متحرک ہوتا ہے۔

## و۔ ویکیولز

ان کو گاڑیاں کہا جا سکتا ہے۔ جو خام مال کو خلیئے کے باہر سے اندر منتقل کرتی ہیں۔ جہاں خلیہ غذا پیدا کرتا ہے اور خلیئے کے اندر پیدا ہونے والے (WASTE PRODUCTS) فالتو مادے کو خلیئے کے اندر سے باہر پہنچاتی ہیں۔

سائٹوپلازم کا گاڑھا مادہ بظاہر ہموار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بڑی طاقت کی خوردبینوں کے ذریعے اس کے اندر باریک ریشوں کا جال نظر آتا ہے جو خلیے کی دیوار کے ساتھ جڑا ہوا پایا جاتا ہے۔

اب قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ ہر زندہ شے ایک خلیئے یا لاکھوں کروڑوں خلیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک خلیئے کا سائز چند مائکرو ملی میٹر یا اس سے قدرے زیادہ ہوتا ہے۔ (مائکرو ملی میٹر ایک ملی میٹر کا ہزارواں حصہ ہے)۔ اسی ایک خلیئے کے اندر جو صرف بڑی خوردبین کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔ اس کے اندر خام مادہ سے خوراک

پیدا کرنے کی فیکٹریاں موجود ہیں۔ پروٹین جو کہ زندہ جسم کا بلڈنگ میٹریل ہے۔ اس کو جوڑنے کا عمل بھی جاری ہے۔ ان میں رطوبتیں پیدا کرنے کا عمل بھی موجود ہے (اسے آپ مشینری کو موبل آئل مہیا کرنے کا عمل کہہ سکتے ہیں)۔ ان میں نشاستہ بنا کر اسے سٹور کرنے کا عمل بھی موجود ہے۔ اسی طرح دوسری رنگدار چیزیں پیدا کر کے ان کو سٹور کیا جاتا ہے۔ اسی چھوٹے سے خلیئے کے اندر عمل تولید کا مادہ بھی موجود ہے۔ اس خلیئے کے اندر ٹرانسپورٹ سسٹم بھی موجود ہے جو خلیئے کے باہر سے مادہ کو اٹھا کر اندر لاتا ہے اور فالتو گلے سڑے مادے کو اٹھا کر خلیئے کے باہر پھینکتا ہے اور پھر دیکھئے کہ ہر فیکٹری کے لئے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی کام بھی نہیں چل سکتا۔ چنانچہ خلیئے کے اندر سانس کا عمل یعنی آکسیجن کی سپلائی کا خودکار نظام موجود ہے۔ آپ صانع ازل کی صناعی ملاحظہ کرتے جائیے اور جھومتے جائیے۔

## زندہ اشیائے کے تنظیمی ڈھانچے

کارخانۂ قدرت میں ہر شے ایک منفرد تنظیمی ڈھانچے کی شکل میں موجود ہے۔ ان میں بعض اشیاء واحد خلیئے پر مشتمل ہیں اور بعض لاتعداد خلیوں پر۔ اوّل الذکر کو (UNICELLULAR) کہتے ہیں اور آخر الذکر کو (MULTI-CELLULAR) یا کثیر الخلایہ، جس میں لاتعداد خلیئے آپس میں مل کر (TISSUE) بناتے ہیں اور مختلف ٹشو باہمی ربط سے (ORGANS) اعضا بناتے ہیں اور پھر اعضا باہمی ربط سے (ORGAN SYSTEMS) اعضائی نظام بناتے ہیں۔ جب ایک کثیر الخلایہ جسم پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اس کے اکثر خلیئے خصوصی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

## زندہ شے کے دوام کا خودکار نظام

...... وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ...... ۚ
(۴۱/۱۰)

" اور اس نے اس (زمین) میں برکت رکھ دی اور اس میں سامانِ معیشت کے پیمانے مقرر کر دیئے چار ایام میں۔"

لفظ برکۃ کے معنی ثبات کے ہیں جس کے ساتھ نمو بھی ہو یعنی ایک چیز اپنے مقام پر مستحکم بھی ہو اور اس کے ساتھ بڑھ بھی رہی ہو۔ چنانچہ اس میں ثبات، استحکام، کثرت، نشوونما اور ظہور و نمود کے تمام پہلو شامل ہیں۔ زندہ جسم اپنے آپ کو تین اعمال کے ذریعے دوام بخشتا ہے۔ مجموعی طور پر جسے سیلف پرپچوایشن کہا جاتا ہے۔ اس کے تین اجزاء ہیں

۱۔ سٹیڈی سٹیٹ کنٹرول یعنی مستقل طور پر ایک حالت میں رہنا۔ (۲) تولید اور — (۳) ایڈاپٹیشن، موافقت

یعنی اپنے آپ کو بدلتے ہوئے ماحول کے موافق بنانا۔

# سٹیڈی سٹیٹ کنٹرول

## زندہ جسم کا اپنی حالت کو مستقل طور پر برقرار رکھنا

سٹیڈی سٹیٹ کنٹرول کے ذریعے زندہ جسم تخریبی اور تباہ کن طبیعاتی اور کیمیائی طاقتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے جو جسم کے باہر اور اندر دونوں جانب سے حملہ آور ہوتی ہیں۔ تولید کے عمل سے زندہ مادہ وقت اور جگہ کے ساتھ ساتھ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ ایڈاپٹیشن یا موافقت کا عمل زندہ اکائیوں میں لمبی مدت کے بعد نسلاً بعد نسلٍ ماحول کی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ سیلف پرپیچوایشن یعنی اپنے آپ کو دوام بخشنے کا عمل زندہ مادہ کو تاحد امکان غیر فانی بنا دیتا ہے۔ زندہ مادہ کو دوام بخشنے والے تینوں اعمال ہر تنظیمی سطح پر کارفرما ہیں۔ اونچی سطح کی تمام تنظیموں کو برقرار رکھنے کا انحصار انفرادی خلیوں کے اپنے آپ کو قائم اور دائم رکھنے پر ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو بدلتے ہوئے ماحول کے موافق بنانے کا انحصار عملِ تولید پر ہے اور تولید کا انحصار سٹیڈی سٹیٹ کنٹرول پر ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیوں کا سٹیڈی سٹیٹ کنٹرول یا اپنی حالت کو مستقل برقرار رکھنے کا عمل ہی تمام اونچی سطح کی تنظیموں کے دوام و قیام کا ذریعہ ہے اور چونکہ کیمیائی سالمات کے استقلال کو (GENES) مورثے کنٹرول کرتے ہیں اس لئے بالآخر تمام تنظیمی سطحوں کا کنٹرول مورثوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح مورثے تولید اور موافقت کے اعمال کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔

## مورثوں کا فعل

جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے کہ اربوں سال پہلے ایڈی نوسین فاسفیٹس، نشاستہ، روغنیات، لحمیات، نیوکلیوٹائیڈز کے مرکبات بمعہ پانی اور معدنیات جب طبیعاتی اور کیمیائی مواقع کے حصول سے یکجا ہو گئے تو ان میں زندگی کی نمود ہوئی۔ لیکن اس وقت زندگی کا کوئی (BLUE PRINT) بنیادی نقشہ موجود نہیں تھا جس کی آگے نقل کی جاتی۔ لیکن نیوکلی اک ایسڈز کے پیدا ہونے کے بعد اور اس کے دیگر کیمیائی اجزاء سے ملاپ کے بعد زندگی کی تخلیق کی رفتار بے حد تیز ہو گئی۔ آج ایک جراثیم سے دوسرا جراثیم پندرہ منٹ کے بعد جنم لیتا ہے اور انسان کے بچے کی تولید ایک ماہ میں مکمل ہو جاتی ہے۔ یہ نئی تخلیق کی رفتار میں تیزی نیوکلی اک ایسڈ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ موجودہ زمانے کے مورثے ابتدائی نیوکلی اک ایسڈز کے جانشین ہیں۔ چنانچہ آج زندگی کی تخلیق اس کے قرار اور کنٹرول کا انحصار مورثوں

پر ہے۔ خلیئے کی ساخت کے عنوان کے نیچے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خلیئے کے اندر نیوکلیو پرٹین کی قسمیں (DNA) ڈی۔این۔اے اور (ANA) آر۔این۔اے کہاں کہاں موجود ہیں۔ کسی نے آج تک موروثوں کو دیکھا نہیں لیکن وہ اپنے کام کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ طبیعاتی طور پر مورثہ کروموسوم یا لونیہ کا حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن کیمیائی طور پر ان کا وجود ظاہر اور مسلّم ہے۔ یہ تجربات سے مکمل طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ موروثے (DNA) ڈی۔این۔اے کے بنے ہوئے ہیں جو کہ چکر کھاتی ہوئی دوہری زنجیر کی مانند ہیں۔ ایک لونیے کے اندر ڈی۔این۔اے کا صرف ایک حصہ متحرک ہوتا ہے۔ زندہ اشیاء کی ہر نوع (SPECIES) میں خلیئے کے نیوکلیس کے اندر لونیوں کی ایک مخصوص تعداد ہوتی ہے۔ انسانی جسم کے ہر خلیئے میں ۴۶ لونیے ہوتے ہیں۔

(جاری ہے)


ٹورنٹو (کینیڈا) میں

# ویڈیو درسِ قرآن

(بڑی سکرین کے ٹیلی وژن پر)

وقت :- تین بجے بعد دوپہر ——— تاریخ یکم نومبر ۱۹۹۲ء

بمقام

O.I.S.E بلڈنگ۔ کمرہ نمبر ۴-۱۱

252 BLOOR St. WEST TORONTO

PHONE - 245 - 5322

مع اہل و عیال تشریف لا کر مستفید ہوں

# نقد و نظر

| | |
|---|---|
| نام کتاب | آیاتِ بیّنات |
| مولّف | ثریا عندلیب |
| صفحات | ۳۱۲ |
| قیمت | ۹۹ روپے |
| ناشر | سنگِ میل پبلیکیشنز۔ لاہور |

خوبصورت کتابت، دیدہ زیب طباعت، خوش رنگ گرد پوش۔ مولّفہ قرآن کی شیدائی اور ماہنامہ طلوعِ اسلام کی معاون ایڈیٹر ہیں۔ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف سکالر ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی لاہور، رقمطراز ہیں۔

> "اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے۔ اس نے ہر شے کو اس کے نکتۂ آغاز سے لے کر اس کے نکتۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس کی پرورش کا ذمہ لے رکھا ہے۔ انسان کو قرآنِ کریم نے خَلْقًا آخَرَ کہا ہے (۲۳:۱۴) یعنی خالقِ کائنات کی تخلیق کا یکسر نیا شاہکار، انسانی ذات کی پرورش کے لئے رہنمائی ملتی ہے۔ قرآنِ کریم کے اندر موجود محفوظ قوانین و مستقل اقدار سے۔ اس رہنمائی کو محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے محنت و جانفشانی کے ساتھ جمع کر کے زیرِ نظر کتاب "آیاتِ بیّنات" میں پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کے ابواب و عنوانات سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے کس انہماک سے قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا ہے اور وہ کس جذب و شوق و تجسّس کے ساتھ علمِ قرآں کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن رہیں۔ حلقۂ خواتین میں سے بالخصوص انہوں نے جس تدبّر فی القرآن کا پیش بہا مرقع پیش کیا ہے، وہ انہی کا حصّہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝

(۵۶/۷۷ ـ ۷۸) "بے شک قرآن کریم ہے وہ تمہیں زندگی کی منفعت بخشیوں سے مالا مال کرنے والا ہے۔ اس کے قوانین و مستقل اقدار ایک کتاب کے اندر یوں محفوظ پڑے ہیں جس طرح موتی سیپ کے اندر محفوظ ہوتے ہیں"۔

ہماری قابلِ احترام بہن نے ان میں سے کچھ موتیوں کی مالا سجا کر قارئین کے سامنے پیش کر دی ہے جس میں گوہرِ نایاب اپنے اپنے مقام پر جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ربّ العالمین ہماری بہن کو قرآن کریم پر مزید غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے اس مشن کو تاحیات جاری رکھ سکیں"۔ عبدالودود۔ ۱۹ جون ۱۹۹۲ء

چیف جسٹس (ریٹائرڈ) لاہور ہائی کورٹ جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق :-

آج کا مسلم نوجوان اس ابہام کا شکار ہے کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہونے والی کتاب اور اسمیں بیان کردہ ضابطۂ حیات کی آج کے پیچیدہ مادی اور میکانکی دور میں کیا اہمیت اور اس کے ساتھ کیا مطابقت ہے۔ اس ابہام کی بنیادی وجہ قرآن حکیم کے پیغام کو سطحی طور پر اور روایتی انداز میں دیکھنے کی روش ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ غور و فکر کے ذریعہ قرآنی اقدار و قوانین کی حکمت اور فلسفہ کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تاکہ آج کی معروضی حقیقتوں کے تناظر میں اور آج کی ضروریات کے مطابق وحی کی تعبیر کے ذریعہ رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

ثریا عندلیب صاحبہ نے اپنی تصنیف میں اسی اہم نکتہ کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ انہوں نے کئی ایسی آیات کا مفہوم پیش کیا ہے جن کا تعلق ان کی رائے کے مطابق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کی حکمت سے ہے۔

ہمارے یہاں دینی معاملات پر بحث کے دوران عموماً غور و فکر اور دلیل و برہان کی بجائے جذباتیت کو مقدّم سمجھا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں اتفاق کی بجائے نفاق کو فروغ حاصل ہوتا ہے اس کے برعکس ثریا عندلیب صاحبہ کا اندازِ فکر سوچ بچار پر مبنی اور طرزِ تحریر مدلّل اور فکر انگیز ہے، جو بحیثیتِ مجموعی پوری امتِ مسلمہ کو قرآن مجید کے فرمان تَتَفَكَّرُوْا کی دعوت دیتی ہے۔

جاوید اقبال

مورخہ ۲۲ جون ۱۹۹۲ء

# حقائق و عبر

## یہ کونسا چانن ہے

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کے دَور میں دینِ اسلام کے خلاف جس سازش کا آغاز ہوا تھا، ایسا لگتا ہے کہ وہ ابھی جاری ہے۔ اس زمانہ میں مخالفین نے اسلام کو دین کی پٹڑی سے اتار دیا تھا۔ موجودہ دَور میں اُنہی عناصر کی منفی سوچ اور کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ 'ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں' — یعنی حقیقی اسلام کا احیاء ممکن نہ ہو پائے اور خدا کے اِس دین کے آثار و کھنڈرات جو بظاہر نظر آ رہے ہیں، وہ بھی معدوم ہو جائیں۔

پاکستان ٹیلی ویژن سنٹر سے بدھ کی شام کو ایک پروگرام "چانن ای چانن" نشر ہو رہا ہے جو اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ شروع شروع میں دو تین مختلف مزار دکھائے جاتے ہیں۔ پھر ایک مشہور فلمی اداکار اور گلوکار — عنایت حسین بھٹی اس پروگرام کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتا ہے۔ ۵۔ اگست ۱۹۹۲ء کو اس نے ایک صوفی شاعر سیّد وارث شاہ کو اپنا موضوع بنایا اور آتے ہی اس کے مزار کے سامنے کھڑے ہو کر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم کے بعد ہیر کی کتاب کا ایک بند اپنی مترنم آواز میں گا کر سُنایا۔ پسِ منظر وارث شاہ کی ایک بڑی فوٹو اور مزار پر کئی اگربتیاں دکھائی گئیں۔ اس کے بعد بھٹی صاحب نے اس مشہور شاعر کی زندگی کے مختصر حالات سنائے کہ وہ کس طرح ابتدا میں اپنے مُرشد کے پاس قصور گئے اور پھر پاکپتن آ گئے۔ بھٹی صاحب یہ کچھ چلتے پھرتے سُنا رہے تھے اور کبھی سبحان اللہ بھی کہہ دیتے تھے۔ اِس مرحلہ پر ایک دوسرے گلوکار نے ہیر کی کتاب گا کر پیش کی۔ پسِ منظر میں کچھ اگربتیاں اور لاتعداد روشن موم بتیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ساتھ ایک سجے سجائے اونٹ کی فوٹو بھی دکھائی گئی۔ اس کے بعد بھٹی صاحب نے بتایا کہ پھر سیّد صاحب ملکہ ہانس آ گئے اور وہاں ایک حجرہ میں قیام کیا جو بعد میں حجرہ پیر وارث شاہ کے نام سے موسوم ہوا۔ وارث شاہ نے اسی حجرہ میں بیٹھ کر ہیر کی کتاب لکھی۔ پروگرام کے اس مرحلہ پر ایک مشہور گلوکارہ نے ہیر کی کتاب کا ایک بند بڑے دلکش انداز میں پیش کیا۔ بقول عنایت حسین بھٹی، ملکہ ہانس سے وارث شاہ دوبارہ اپنے مُرشد

کے پاس قصور آئے اور اُنہیں اپنا کلام سنایا۔ مرشد صاحب نے فرمایا کہ تم مُنج کی رسّی میں موتی پرو لائے ہو۔ ازاں بعد بھٹی صاحب نے ایک آیتِ قرآنی تلاوت کی اور ترجمہ کچھ اس طرح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے بُت میں رُوح ڈالی تو...... اس کے بعد وہ عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کی طرف نکل گئے۔ اس دوران دو دوسرے گلوکاروں نے اکٹھے مل کر ہیر خوانی کی اور پھر اُسی پہلے والی گلوکارہ نے ہیر کی کتاب سے ناظرین کو محظوظ کیا۔ پس منظر پہلے کی طرح 'روشن موم بتیاں' ایک خالی گھڑا اور ایک چرخہ نظر آتا رہا۔ اس طرح شام چھ بج کر دس منٹ سے شروع ہو کر چھ پینتیس پر "چانن ای چانن" کا پروگرام ختم ہو گیا اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ ۲۵ منٹ کے اس دورانیے میں چانن یا نورِ ہدایت والی کونسی ایسی بات تھی جو ٹی۔ وی کا محکمہ پاکستان کے عوام کو بتانا چاہتا تھا۔ چانن ای چانن کا مطلب ہے روشنی ہی روشنی یعنی ہر طرف نور ہی نور۔ کیا یہ خانقاہوں پر رنگ برنگے بلبوں اور جلتی موم بتیوں کی روشنی ہے یا واقعی اس کا تعلق نورِ بصیرت سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنے ضابطہ (قرآن) کو نور کہا ہے، تو پھر اس چانن ای چانن میں وہ کون سا نور ہے جسے اُمتِ مسلمہ میں عام کیا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اہلِ طریقت ان مزاروں سے جس لامحدود عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، اگر اس کا عشرِ عشیر بھی زندہ انسانوں کے لئے وقف ہو جائے تو تمام نوعِ انسان کی بگڑی بن سکتی ہے۔ بہر حال پی۔ ٹی۔ وی ایک قومی ادارہ ہے۔ اس پروگرام کے پیش کنندہ بھی ماشاءاللہ اُمتِ مسلمہ کے افراد ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا ہم اسلام کے نام پر پیش کئے گئے اس میٹھے زہر کے متحمل ہو سکتے ہیں اور کیا جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہی ہے جس کے لئے پیغمبرِ اسلام مبعوث ہوئے تھے۔

تمدن، تصوّف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

## یہ طوفان کون اٹھاتا ہے؟

ایک ایسے وقت میں جب پاکستان میں اس قسم کے مطالبات سامنے آ رہے ہیں کہ مذہبی فرقہ وارانہ جماعتوں پہ پابندی عائد کر دی جائے، ایک بات سامنے آتی ہے ـــ اور وہ یہ کہ کرم ایجنسی میں کئے گئے تجربے کو پاکستان میں دہرانے میں کیا حرج ہے ـــ کیا چیز اس کی راہ میں حائل ہے؟ ـــ

"ایسے مطالبات نے پشاور میں حالیہ واقعات کے بعد جس میں پندرہ لوگوں کی جانیں ضائع ہوئیں، زیادہ شدت اختیار کر لی، گورنمنٹ بھی سوچنے پر مجبور ہوئی کہ ایسے حالات پر کیونکر قابو پایا جا سکتا ہے، فرقہ وارانہ اور لسانی تنظیموں پر پابندی گورنمنٹ کے زیرِ غور رہتی جاتی لیکن شاید سیاسی مصلحتیں اس کی راہ میں حائل ہیں، حکومت اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچاتی ہے۔

پچھلے سال ستمبر کی ۲۹ تاریخ کو گورنمنٹ کے ایما پر کرم ایجنسی کے اڑھائی سو شیعہ اور سنی قبائلی سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور ایک معاہدۂ امن پر دستخط کئے۔

اس کے مطابق انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کرم ایجنسی میں ایسی فرقہ دارانہ انجمنوں پر پابندی عائد کردی جائے ـــ پارٹیوں کے جھنڈے لہرانے پر پابندی ہو اور دیواروں پر لکھے سب نعرے مٹا دئے جائیں۔ مسجدوں اور امام بارگاہوں پر لاؤڈ سپیکروں کا استعمال صرف اذان اور خطبہ جمعہ تک محدود کردیا جائے۔

اس معاہدے کی ضرورت اس سے پچھلے محرم کے خونی فسادات کے بعد شدت سے محسوس ہوئی تھی ـــ چنانچہ اس کے بعد اس بار محرم بخیر وعافیت اور پُرامن گزرا اور سبز، خوبصورت کرم ایجنسی اور وادی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا، نہ صرف ایسی بڑی بڑی فرقہ وارانہ جماعتیں مثلاً اے ایس ایس پی اور ٹی این ایف جے کی سرگرمیاں بند ہوگئیں بلکہ ان کی ذیلی تنظیمیں مثلاً المختار اور الفاروق یوتھ فورس بھی خاموش ہوگئیں۔

سیاسی جماعتیں مثلاً پی پی پی، اے این پی، جے یو آئی بھی کرم ایجنسی میں اپنی نوساختہ شاخوں کو بند کرنے پر مجبور ہوگئیں ـــ اربابِ اختیار اور قبائلی سرداروں نے ذمہ داری لی ہے کہ کوئی تنظیم اس معاہدۂ امن کی خلاف ورزی نہیں کرے گی۔

فسادات کی آماجگاہ کرم وادی میں امن کی یہ بحالی حکومت اور گورنر امیر گلستان جنجوعہ کا ایک بہت بڑا معرکہ تصوّر کی جارہی ہے ـــ کم از کم وقتی طور پر وادئ کرم جہاں ذرا سی بات پر فسادات کی آگ بھڑک اٹھتی تھی، امن کی نعمت سے مالا مال ہے۔

کیا حکومت وادئ کرم والا تجربہ سارے پاکستان یا کم از کم ابتدائی طور پر فرنٹیئر میں نہیں آزما سکتی۔ کیا یہاں سب فرقہ وارانہ جماعتیں، خاص طور پر وہ جو بیرونِ ملک سے امداد حاصل کرتی ہیں، پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔"

(صرف عنوان ہمارا ہے، باقی سارا متن روزنامہ دی نیوز کی اشاعت بابت ۱۹ جولائی ۱۹۹۲ء صفحہ ۸ کا ترجمہ ہے)۔

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویزؒ

# جدّوجُہد
## (کوشش)
### (۱)

تم دنیا میں غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ذمّے جو کام لگا دیا ہے وہ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں ہر وقت سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ سورج کس

**ہر شے سرگرمِ عمل ہے**

طرح اپنے وقت پر چڑھتا اور وقت پر ڈوب جاتا ہے۔ سردی اور گرمی، بہار اور خزاں، کس طرح اپنے اپنے وقت پر آتی ہیں۔ ہوائیں کس طرح اپنی اپنی سمت میں چلتی رہتی ہیں۔ غرضیکہ کائنات کی ہر شے ہر وقت اپنے اپنے کام میں مصروف رہتی ہے۔ اسلام، انسانوں سے بھی یہی توقع کرتا ہے اور انہیں اسی قسم کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ

لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝
(۵۳/۳۹)

"انسان اسی چیز کو بطور اپنے حق کے لے سکتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے"۔

اس نے ایمان کے ساتھ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی لازمی شرط لگا دی ہے۔ یعنی مسلم وہ ہے جو خدا کے قوانین (قرآن شریف)

**اعمالِ صالح**

کی صداقت پر یقین رکھے اور ایسے کام کرے جن سے اس کی صلاحیتیں نشوونما پائیں۔

جن سے دنیا سنور جائے اور ہر ایک کی اصلاح ہو جائے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار اس کے اپنے کاموں پر ہے۔

تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (۴۵/۲۸)

"تمہیں اپنے کاموں ہی کا بدلہ ملتا ہے۔"

اس لئے وہ مومنوں کا شعار (طرزِ زندگی) یہ بتاتا ہے کہ

جٰهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ (۹/۸۸)

"وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ جدّوجُہد کرتے رہتے ہیں۔" اور اس کے لئے جہاں دولت صرف کرنی پڑے دولت خرچ کرتے ہیں اور اگر جان تک بھی دینی پڑے تو جان بھی دے دیتے ہیں۔

## عملی زندگی

لیکن یہ مقصد جس کی تکمیل کے لئے ایک مردِ مومن ہمیشہ مصروفِ عمل رہتا ہے اور ہر طرح کی قربانی کرتا ہے یہی ہے کہ دنیا میں صحیح قرآنی نظام قائم ہو جائے جس سے تمام انسانوں کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں اور ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔

لہذا یاد رکھو! کوشش کے بغیر انسان کو کچھ نہیں ملتا اور ایک کا عمل دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اسلام عمل سکھاتا ہے۔ کوشش کرنے کی تاکید کرتا ہے اور ہر ایک کو اس کی کوشش کا پھل ملتا ہے۔